الصبر و الصلوۃ

(صبر ونماز کی حقیقت وفوائد)

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
تمہید	۵	حق تعالیٰ کی رحمت وشفقت	۱۸
اجزائے مشترکہ وغیر مشترکہ	۶	طاعات کی قسمیں	۱۹
دونوں آیات میں مذکور تین حکم	۷	اعمالِ وجودیہ میں تنگی کی وجہ	۱۹
صبر وصلوٰۃ ذریعہ مقصود ہیں	۷	عہدیوں کی حکایت	۱۹
اصل مقصود عبادت ہے	۸	اعمال ترکیہ میں مشقت کی وجہ	۲۰
قرآن کی خوبی	۸	غیبت کا نقصان	۲۱
ایک اشکال کا جواب	۹	لوگوں کی تعریف سے دھوکا نہ کھاؤ	۲۱
دین میں تنگی ہے اس شبہ کا جواب	۹	بطورِ مثال میاں جی کی حکایت	۲۲
مولانا گنگوہیؒ کی شفقت	۱۱	لوگوں کے حضرت حضرت کہنے سے دھوکا نہ کھاؤ	۲۲
بزرگوں کا اندازِ تربیت	۱۲	صبر کے معنی اور فائدہ	۲۴
مشائخ کے تصرفات کی حقیقت	۱۳	اعمالِ وجودیہ میں مشقت کا علاج	۲۴
عشق مجازی کی حقیقت و فائدہ	۱۳	صبر وصلوٰۃ کی پابندی کا فائدہ	۲۵
اطباءِ ظاہر اور اطباءِ باطن میں فرق	۱۵	ایک اشکال کا جواب	۲۵
اپنا علاج خود نہ کرو	۱۵	شیخ محقق کا قاعدہ اصلاح	۲۷
شیخ سے علاج کرانے کی ضرورت اور اس کا فائدہ	۱۶	صبر ونماز میں شان جامعیت	۲۸
تقاضائے نفس کی مخالفت نہ مشکل ہے نہ برداشت سے باہر	۱۷	نماز میں تمام عبادات موجود ہیں اس کی تفصیل	۲۹

ایک اشکال اور اس کا جواب	۳۰	غم کی حکمت	۴۸
نماز کا امتیاز	۳۱	مدتِ تعزیت	۴۹
ترکِ صورت کا اثر	۳۲	تعزیت کے بارے میں حکایت	۵۰
نماز باجماعت چھوڑنے پر وعید	۳۳	تعزیت کے لئے تین دن مقرر ہونے کی وجہ	۵۱
بدگمانی سے بچو	۳۳	غم ہلکا کرنے کی تدبیر	۵۱
امر بالمعروف اہل اللہ کا منصب ہے	۳۴	غم ہلکا کرنے کی دلیل	۵۲
متشددانہ نصیحت کا نقصان	۳۴	کمزور طبیعت کے لئے تسلی کا طریقہ	۵۲
امر بالمعروف کا معیار	۳۵	مخرب اخلاق کتب کے مطالعہ سے احتراز	۵۳
افسوسناک حالت	۳۶	قابل مطالعہ کتب	۵۳
تعدیلِ ارکان کی اہمیت	۳۶	بدعقل دیہاتی	۵۴
اپنے کو کسی محقق کے تابع کرو	۳۷	اللہ کی کریمی	۵۵
فسادِ عقائد	۳۸	صبر کا عظیم فائدہ	۵۶
بعض ائمہ مساجد کی کوتاہی	۴۰	اشکالات کے جوابات	۵۶
احکامِ دین میں رائے کا اعتبار نہیں	۴۱	نماز کے بھاری ہونے کی حکمت	۵۶
جاہلانہ اجتہادات	۴۲	خشوع کی حقیقت اور اس کے حصول کا طریقہ	۵۸
مفسر قرآن کے لئے چودہ علوم کا ماہر ہونا ضروری ہے	۴۳	وساوس کا نماز میں آنا خلاف خشوع نہیں	۵۹
آج کل کی آزادی	۴۴	نماز میں وساوس کا علاج	۵۹
صبر کی حقیقت	۴۵	ہر شخص کو خدا تعالیٰ سے محبت ہے	۶۰
نامناسب اندازِ تعزیت	۴۵	وحدت الوجود کا مطلب	۶۱
بہترین تعزیت	۴۶	اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا طریقہ	۶۲
حضرت تھانویؒ کا انداز تعزیت	۴۷	حصول صبر کا طریقہ	۶۳
غم کی قسمیں	۴۷	لذیذ مراقبہ	۶۳

وعظ

الصبر والصلوۃ

(صبر ونماز کی حقیقت وفوائد)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ کو بوقت شب جناب سخاوت علی صاحب کی درخواست پر ان کے گھر مظفر نگر میں کرسی پر بیٹھ کر ساڑھے تین گھنٹے تک ارشاد فرمایا حاضرین میں ۶۰ مرد اور عورتیں اس کے علاوہ پردہ میں تھیں۔

جن امور کا انسان مکلّف ہے دو قسم کے ہیں ایک وجود یہ دوسرے ترکیہ اور سب کے کرنے میں کچھ نہ کچھ مشقت ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تسہیل کے لئے صبر ونماز کی تعلیم دی ہے یہ خود بھی مقصود ہیں اور دوسرے مقاصد کو بھی سہل اور آسان کرنے والے ہیں یہ مضمون اس وعظ میں بیان کیا گیا ہے اس بیان میں نماز کی جامعیت اور اس کا تمام اعمال کے لئے سبب سہولت ہونا عجیب عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

(خلیل احمد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم:

﴿وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ﴾ (۱) وقال تعالی: ﴿یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (۲)

تمہید

اس وقت میں نے دو آیتیں مختلف مواقع سے تلاوت کی ہیں جس کا میری یاد سے کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ آج ایک مصلحت سے ایسا کیا ہے یہ دونوں آیتیں ایک امر (۳) میں تو مشترک ہیں (۴) اس وجہ سے شاید دونوں کی تلاوت کو زائد سمجھا گیا ہو مگر ایک فائدہ کے اظہار کے لئے دونوں کو اختیار کیا گیا ہے اور وہ ابھی معلوم ہو جائیگا۔

(۱) ''اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں وہ خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے اب کی طرف واپس جانے والے ہیں'' سورۂ بقرہ: ۴۵، ۴۶ (۲) ''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' سورۂ بقرہ: ۱۵۳ (۳) ایک بات میں (۴) یعنی صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا۔

اور اگر وہ فائدہ نہ بھی ہوتا جب بھی دونوں کی تلاوت زائد نہیں تھی کیونکہ جزوِ مشترک کا مہتم بالشان (۱) ہونا اس سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ دو جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ مگر ان آیتوں میں ایک جزوِ غیر مشترک بھی ہے اس سے فائدہ جدیدہ معلوم ہوگا۔ ایک آیت میں ایک فائدہ ہے دوسری آیت میں دوسرا فائدہ وہ ہی تعددِ فائدہ محرک ہوا تعددِ تلاوت کا۔

اجزائے مشترکہ وغیر مشترکہ

اب سمجھنا چاہئیے کہ وہ جزوِ مشترک کیا ہے سو ترجمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوجائیگا کہ استعانت بالصبر والصلوٰۃ تو امر مشترک ہے پھر پہلی آیت میں نماز کو گراں (۲) مان کر یہ بتلایا گیا ہے کہ خاشعین پر گراں نہیں ہے جو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں اور اسی کے پاس جانے والے ہیں' اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں اس میں صبر کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ اس سے معیتِ حق حاصل ہوتی ہے۔ اس میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اصل مقصود کچھ اور ہے جس میں نماز اور صبر سے مدد حاصل کرنے کا امر (۳) کیا گیا ہے اور وہ اصل مقصود دونوں میں مشترک ہے اور جو امور مابہ التفاوت (۴) ہیں وہ اصل کے متعلق ہیں اور چونکہ صلوۃ وصبر کو اس کا معین (۵) قرار دیا گیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اصل مقصود زیادہ مہتم بالشان ومطمح نظر ہوگا۔ (۶)

(۱) ایسا جزو جو دو آیتوں میں مشترک طور پر بیان کیا گیا ہو اس کا قابلِ اہتمام ہونا معلوم ہوتا ہے (۲) بھاری (۳) حکم کیا گیا (۴) اور جن باتوں میں فرق ہے (۵) مددگار (۶) اصل مضمون زیادہ قابلِ اہتمام اور پیش نظر رہنا چاہئے۔

دونوں آیات میں مذکور تین حکم

غرض مجموعہ آیتین کا تین امر ہیں ایک مقصود مشترک دوسرے ذریعہ مقصود کا اور وہ بھی مشترک ہے تیسرا مابہ التفاوت یعنی وہ فائدہ خاصہ جس کی وجہ سے دونوں آیتوں میں استقلال و انفراد(۱) کی شان پیدا ہوئی جس میں دونوں مشترک نہیں ہیں۔ چوتھا امر درجہ متمّم میں ہے وہ یہ کہ خاص خاص عمل کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے ایک میں ایک عمل کی دوسرے میں دوسرے عمل کی یہ متمم ہے(۲) خواہ اس کو مدلول رابع قرار دیا جائے یا مستقل عدد نہ قرار دیا جائے بلکہ متمم کہا جائے۔

صبر وصلوۃ ذریعہ مقصود ہیں

سب سے پہلے اصل مقصود کی تعیین ضروری ہے اس لئے اولاً میں اسی کو عرض کرتا ہوں پھر امر ثانی و امر ثالث و امر رابع کو عرض کروں گا گو وہ مقصود یہاں صراحۃً مذکور نہیں مگر دوسری آیات سے نیز قواعد شرعیہ سے اس کی تعیین ہو جاتی ہے۔

اب سنئے کہ ان دونوں آیتوں میں ﴿اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ﴾ ارشاد ہوا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''صبر اور نماز سے سہارا ڈھونڈو'' اس ترجمہ ہی سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مقصود کچھ اور ہے کیونکہ صبر اور نماز سے تو مدد حاصل کرنے کا امر کیا گیا ہے جیسے محاورہ میں کہتے ہیں کہ قلم سے مدد لو یعنی کتابت میں اس سے مدد لو۔ تو جو شخص یہ جانتا ہے کہ قلم کس کام کا آلہ ہے وہ تو بدوں ذکرِ کتابت کے بھی اسی کو سمجھے گا۔ اور جو کتابت کو نہیں جانتا وہ بھی زبان فہمی کی وجہ سے اتنا ضرور سمجھے گا کہ مقصود کوئی اور چیز ہے جس میں قلم سے مدد لی جاتی ہے' اس اجمالی علم کے بعد وہ تعیین مقصود کی کوشش کرے گا' بہرحال ﴿اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ﴾ میں حرفِ ''با'' کا آنا بتلا رہا

(۱) دونوں آیات کا مضمون مستقلاً الگ سمجھ میں آیا (۲) پورا کرنے والا ہے۔

ہے کہ یہ مقصود کا ذریعہ ہے جیسے کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ (۱) میں مفہوم ہوتا ہے کہ قلم کتابت کا ذریعہ ہے اور مقصود کتابت ہے اسی طرح یہاں مفہوم ہوا کہ صبر وصلوۃ ذریعہ ہے اور مقصود دوسرا ہے۔

اصل مقصود عبادت ہے

اب اس کو سمجھئے کہ وہ مقصود کیا ہے جس کے لئے ان دونوں کو آلہ بنایا گیا ہے اگر آیات قرآنیہ میں غور کیا جائے تو اس کی تعیین ہوجائے گی۔ آیات بہت ہیں مگر سب سے زیادہ صریح آیت: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (۲) ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے نفی واستثناء کو استعمال فرمایا ہے اور محاورہ میں نفی واستثناء حصر کے لئے ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ ''میں نے جن وانسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں'' اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود عبادت ہے۔ اب دوسری آیات کی تلاش ضروری نہ رہی کیونکہ اس میں صراحۃً مقصود کی تعیین ہوگئی ہے اب ان دونوں آیتوں کا مدلول ہر شخص آسانی سے سمجھ لے گا کہ معنی یہ ہیں کہ مدد حاصل کرو صبر وصلوٰۃ کے ذریعہ سے عبادت میں جو کہ اصل مقصود ہے۔

قرآن کی خوبی

اس تفصیل سے آپ کو قرآن کی خوبی تعلیم کا علم بھی ہوگیا ہوگا کہ کیسی پاکیزہ تعلیم ہے خوبیاں تو بہت ہیں سب کو ہم کہاں تک بیان کرسکتے ہیں مگر ایک خوبی یہ ہے کہ اس طرزِ تعلیم سے حق تعالیٰ کی شفقت ورحمت معلوم ہوتی ہے کہ مقصود کی طرف کس طرح متوجہ کیا گیا ہے کہ اس کی تسہیل کا طریقہ بھی بتلادیا۔ نیز اس

(۱) میں نے قلم کی مدد سے لکھا (۲) ''اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں'' سورۂ ذاریات:۵۶۔

سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقصود میں کچھ کسی قدر دشوار بھی ہے جبھی تو اس کے حاصل کرنے میں صبر وصلوٰۃ سے مدد لینے کی ضرورت ہوئی۔

ایک اشکال کا جواب

رہا یہ کہ مقصود کے مشکل ہونے کی وجہ کیا ہے؟ حالانکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ﴾[1] یہ تو قرآن کی نص موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ آسانی کا معاملہ فرماتے ہیں نہ کہ دشواری کا۔ اس کا مقتضاء یہ ہے کہ تمام مقاصد آسان ہوں دشوار نہ ہوں دوسری جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾[2] کہ دین میں کچھ بھی تنگی نہیں اس میں نکرہ تحت النفی ہے جو بقاعدۂ عربیت عموم منفی کو مفید ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دین فی نفسہ آسان ہی ہے مگر کبھی کسی عارض کی وجہ سے اس میں تنگی پیش آجاتی ہے پس ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ﴾ ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ دین فی نفسہ[3] آسان ہے اور فی نفسہ اس میں تنگی نہیں ہے اور جن آیتوں کی تلاوت کی گئی ہے ان سے جو دین کے اندر کسی قدر دشواری کا ہونا مفہوم ہورہا ہے یہ عارضی دشواری ہے اور اس عارض کو آئندہ وضاحت کے ساتھ متعین کیا جائیگا۔

دین میں تنگی ہے' اس شبہ کا جواب

مگر پہلے میں ان لوگوں کا شبہ رفع کردوں جو دین کو فی نفسہ دشوار سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو دین میں ایسی تنگی کا مشاہدہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے دین

(۱) ''اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں'' سورۂ بقرہ:۱۸۵

(۲) ''اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی'' سورۂ حج:۷۸ (۳) اپنی ذات کے اعتبار سے۔

پر چلنا بہت دشوار ہو رہا ہے(۱) چنانچہ شریعت میں سودی لین دین حرام ہے حالانکہ تجارت میں سود لینا دینا پڑتا ہے کبھی بیع معدوم(۲) بھی کرنا پڑتی ہے اور وہ بھی ناجائز ہے مختصر تجارت تو ممکن ہے کوئی ہمت کرکے اس سے بچ جائے مگر بڑی تجارت میں بچنا دشوار ہے اسی طرح ملازمت میں بڑی ملازمتیں محرّمات سے بہت کم خالی ہوتی ہیں۔ اسی طرح زمینداری میں کہیں عرف کی وجہ سے کہیں قانون کی وجہ سے شرعی تنگی لاحق ہوتی ہے ہاں اگر کوئی تارک تعلقات ہو تو اس کو بچنا ممکن ہے مگر پھر اس کو معاش کی تنگی لاحق ہوگی جو ہر شخص کے تحمل میں نہیں چنانچہ بعض محققین نے بھی ناداری کی تنگی کو بعض کے لئے گوارا نہیں کیا کیونکہ بعض دفعہ اس سے نوبت بکفر(۳) آجاتی ہے کہ کبھی خدا کی شکایت ہے کبھی تبدیل مذہب کی صورت ہے۔

اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ تنگی شریعت میں نہیں بلکہ آپ کے طرزِ معاشرت میں تنگی ہے کہ آپ کا سابقہ ایسی قوم سے پڑا ہے جو دین سے آزاد اور دین پر چلنا نہیں چاہتی اور جہاں غلبہ ایسے لوگوں کا ہو وہاں دین پر چلنے والے کو تنگی ضرور لاحق ہوگی گو دین کے احکام کیسے ہی سہل ہوں اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک عاقل احمقوں میں پھنس جائے تو اس کو مقتضاءِ عقل پر عمل کرنا دشوار ہوگا وہ کیسا ہی سہل ہو کیونکہ احمق لوگ اس سے مزاحمت کریں گے مثلاً شادی میں فضول رسمیں نہ کرنا مقتضاءِ عقل ہے اور یہ سہل بھی ہے مگر چونکہ سابقہ جہلاء اور حمقاء سے ہے اس لئے عاقل کو تنگی پیش آتی ہے کہ اس کی کوئی بات نہیں چلتی نیز اس کی ایسی مثال ہے جیسے طبیب مریض کو بکری کا گوشت یا مونگ کی دال کھانے کو بتلائے مگر مریض ایسے کوردہ(۴) کا رہنے والا ہے جہاں کچھ دستیاب نہیں ہوتا تو یوں نہیں کہا

(۱) مشکل ہو رہا ہے (۲) کبھی ایسی چیز بھی بیچنی وخریدنی پڑتی ہے جو ابھی موجود ہی نہیں ہے (۳) کفر اختیار کرنے تک نوبت پہنچ جاتی ہے (۴) ایسے گاؤں یا قصبہ کا رہنے والا ہو جس کو کوئی جانتا نہ ہو اور وہاں روزمرہ کی اشیاء بھی میسر نہ ہوں۔

جائیگا کہ طبیب کے مطب میں تنگی ہے بلکہ یہ کہا جائیگا کہ اس شخص کا گاؤں تنگ ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم دین میں ایسی آسانی کے مدعی نہیں کہ اس کے لئے ہمت کی بھی ضرورت نہ ہو بلکہ ایسی آسانی کے مدعی ہیں کہ ہمت وقدرت سے زیادہ مشقت کی ضرورت نہیں باقی کسی قدر مشقت ضرور ہے جس کی وجہ سے ہمت کی ضرورت ہوتی ہے حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں: ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴾ (۱) اور یہ مشقت بھی چند روزہ ہوتی ہے پھر آسانی سے مبدّل ہوجاتی ہے چنانچہ جو لوگ دین پر چلنے والے ہیں وہ اس کو محسوس کرتے ہیں۔ اور صاحبو! دنیوی مقاصد میں بھی تو کچھ نہ کچھ مشقت ہوتی ہے آخر بی اے پاس کرنا کچھ آسان تو نہیں مگر ہمت کے بعد سب آسان ہے اس طرح احکام اخرویہ میں کسی قدر مشقت اور مجاہدہ کی ضرورت ہے مگر زیادہ مشقت کی ضرورت نہیں جس کا تحمل نہ ہوسکے ورنہ پھر ضعف کا مقتضاء ظاہر ہوگا کہ کچھ بھی نہ ہوسکے گا چنانچہ محقق کبھی ایسی مشقت نہیں ڈالتا جس کا تحمل نہ ہوسکے۔

مولانا گنگوہیؒ کی شفقت

حضرت مولانا گنگوہیؒ سے ایک دیہاتی بیعت ہوا اور بیعت کے بعد کہنے لگا کہ حضرت آپ نے مجھے افیون کھانے سے توبہ نہیں کرائی۔ فرمایا مجھے کیا خبر کہ تو افیون بھی کھاتا ہے اچھا اب بتلا کہ تو کتنی کھاتا ہے اس نے گولی بنا کر مولانا کے ہاتھ پر رکھ دی آپ نے اس کے دو حصے کردیئے اور فرمایا کہ اتنی مقدار میں کھالیا کر۔ وہ کہنے لگا کہ جب چھوڑنا ہی ہے تو کیا آدھی اور کیا ساری، بس میں نے آج سے

(۱) ''کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائیگا'' سورۂ عنکبوت:۲۔

بالکل ہی چھوڑ دی یہ اس کی ہمت تھی مگر مولانا نے اپنی طرف سے اس پر ایسی مشقت نہیں ڈالی جو تحمل سے باہر ہو۔

بزرگوں کا اندازِ تربیت

اسی طرح ایک بزرگ کے ہاتھ پر ایک چور نے چوری سے توبہ کی اور خانقاہ میں رہنے لگا۔ صبح کو خانقاہ والوں کے جوتے گڑ بڑ ہو جاتے کسی کا ایک کہیں پڑا ہے دوسرا کہیں پڑا ہے لوگوں کو دس پندرہ منٹ تک جوتوں کی تلاش میں پریشانی ہوتی اور اتنی دیر تک اچھی خاصی رونق ہو جاتی سب کو فکر ہوئی کہ یہ کس کی حرکت ہے پھر اس نو وارد پر شبہ ہوا مگر چونکہ اہل اللہ تھے اس لئے بدگمانی نہ کی بلکہ تفتیش شروع کی آخر ایک رات پکڑے گئے اور صبح کو شیخ کے سامنے حاضر کئے گئے کہ حضرت یہ نو وارد خانقاہ والوں کے جوتے گڑ بڑ کر دیتا ہے نہ معلوم اس کو اسمیں کیا مزہ آتا ہے اور ہم کو بے فائدہ پریشانی ہوتی ہے' شیخ نے پوچھا نو وارد نے کہا کہ حضرت میں آپ سے پالسی نہیں کرتا بلکہ صاف صاف اپنا قصہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں پہلے چوری کا عادی تھا جس سے اب توبہ کر لی ہے مگر جب رات کو دو بجتے ہیں تو نفس تقاضا کرتا ہے میں اس کو دباتا ہوں کہ بزرگوں سے بیعت ہو کر ان کی مخالفت کرنا اچھا نہیں وہ پھر تقاضا کرتا ہے میں پھر روکتا ہوں گھنٹہ بھر تک میری اس کی جنگ ہوتی ہے آخر کار مصالحت پر فیصلہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ صلح میں کچھ خود دبنا پڑتا ہے کچھ دوسرے کو دبایا جاتا ہے تو میں نفس سے کہتا ہوں کہ چوری میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک چیز کا اٹھانا دوسرے اسے لے جانا تو ان دونوں میں ایک کام کر لے ایک چھوڑ دے۔ اس لئے میں خانقاہ والوں کے جوتے گڑ بڑ کر دیتا ہوں کہ ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتا ہوں۔ اب اگر یہ بھی

ممنوع ہے تو میں اس سے بھی توبہ کرلونگا مگر اندیشہ ہے کہ جب نفس کا تقاضا زیادہ ہوگا تو چوری میں مبتلا ہوجاؤں گا۔ شیخ نے کہا تم جوتے گڑ بڑ کردیا کرو تم کو جائز ہے بلکہ تم پر واجب ہے کیونکہ چوری سے وقایہ(۱) ہے اور خانقاہ والوں سے کہا کہ تم اس تکلیف کو گوارہ کرلو تم کو ثواب ملے گا۔ صاحبو! اس کو ہنسی نہ سمجھو بلکہ اس حکایت میں ایک گُر کی بات ہے وہ یہ ہے کہ جس سے اعلیٰ درجہ کا تقویٰ نہ ہوسکے وہ ادنیٰ ہی پر نفس سے صلح کرلے مگر ادنی کو خود تجویز نہ کرو بلکہ کسی محقق سے تجویز کراؤ۔ یہ میں نے اس لئے کہدیا کہ شاید ابھی سے لوگوں نے تجویزیں شروع کردی ہونگی تو ایسا مت کرو بلکہ کسی محقق سے مشورہ کرو کیونکہ طبیب نسخہ میں ایسا تصرف کرتا ہے جو دوسرا نہیں کرسکتا۔ پس شیخ کامل سے رجوع کیا جائے تمہاری حالت کو دیکھ کر جو درجہ تقوی کا تجویز کریں اس کو اختیار کرو جیسا ان بزرگ نے چور کو ہیرا پھیری کی اجازت دی تھی۔

مشائخ کے تصرفات کی حقیقت

ہاں ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ شیخ کے اس تصرف کو شرعی فتوی نہ سمجھا جائے بلکہ عارضی معالجہ سمجھا جائے کیونکہ بعض دفعہ کوئی عارض ایسا قوی ہوتا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اصل مرض کی طرف توجہ نہیں ہوسکتی اس وقت طبیب اس کی کوشش کرتا ہے کہ عارض کو اول رفع کرے(۲) اس کے بعد اصل مرض کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اطباءِ روحانی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

عشقِ مجازی کی حقیقت و فائدہ

چنانچہ بعض دفعہ وہ سالک کو عشق مجازی میں مبتلا کرتے ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ اس کا دل علائقِ مختلفہ(۳) میں پھنسا ہوا ہے تو عشق مجازی میں مبتلا

(۱) چوری سے بچنے کا ذریعہ ہے (۲) جو عارضہ اس کو لاحق ہے پہلے اس کو دور کرے (۳) مختلف تعلقات میں پھنسا ہوا ہے۔

کر کے وہ ان سب تعلقات کو قطع کرنا چاہتے ہیں پھر صرف ایک تعلق کا قطع کرنا باقی رہ جاتا ہے اس کا قطع کرنا سہل ہے(۱) پس یہ جو مشہور ہے کہ

ع متاب از عشق رو گرچہ مجازی ست (۲)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عشقِ مجازی کی اجازت دیتے ہیں بلکہ اس سے ایک کام لیتے ہیں یعنی عارض قوی کا ازالہ اور علائقِ مخلفہ کا استیصال (۳) کرنا چاہتے ہیں اور عشقِ مجازی بھی وہ ایسا تجویز کرتے ہیں جو حرام نہ ہو یعنی امرد (۴) یا عورت اجنبیّہ کا عشق تجویز نہیں کرتے بلکہ حلال محبت تجویز کرتے ہیں چنانچہ ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید سے پوچھا کہ تجھے کسی چیز سے محبت بھی ہے؟ کہا جی ہاں میری ایک بھینس ہے مجھے اس سے بہت محبت ہے' فرمایا اچھا تم بھینس کا مراقبہ کیا کرو۔ چالیس دن تک ایک خاص وقت میں اس کا مراقبہ کیا کرو اب اس کی یہ حالت ہوئی کہ فنا فی الجاموس (۵) ہو گیا چالیس دن کے بعد شیخ نے اس کو حجرہ سے باہر آنے کا حکم دیا تو وہ کہتا ہے کیسے آؤں سینگ دروازہ میں اٹکتے ہیں اب اس کا یہ حال تھا کہ

ع ہر چہ پیدا می شود از دور پندارم توئی (۶)

اور یہ حال تھا کہ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری (۷)

شیخ اس حالت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ہاتھ پکڑ کر اسے باہر نکالا اور کہا اب سینگ نہیں اٹکتے تو باہر آ۔ تیرا مراقبہ کامیاب ہو گیا سب علائق قطع ہو گئے اب صرف بھینس کا تعلق قطع کرنا باقی رہا تو یہ کچھ مشکل نہیں۔ بتلائیے اس عشق

(۱) اس کو ختم کرنا آسان ہے (۲) عشق کرو چاہے مجازی ہی ہو (۳) دل جو مختلف تعلقات میں پھنسا ہوا ہے اس کو ان سے بالکل صاف کرنا چاہتے ہیں (۴) نابالغ بچہ (۵) بھینس ہی کے خیال میں ڈوب گیا (۶) جو کچھ بھی سامنے نظر پڑتا میں سمجھتا تھا کہ تو ہی ہے (۷) میں تجھ میں کھو جاؤں تو مجھ میں کھو جائے میں جسم کی طرح ہوں تو تو اس کی جان بن جاتا کہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے میں الگ ہوں تو الگ ہے۔

مجازی میں کیا خرابی تھی اور اس کا نفع کس قدر ہوا کہ جو شخص پہلے یکسوئی کا عادی نہ تھا اب پوری طرح یکسو ہوگیا جس کا دل ہزار چیزوں میں متعلق تھا اب صرف ایک چیز سے وابستہ ہوگیا اس قصہ کو دل لگی نہ سمجھئے بلکہ حقیقت میں یہ بڑا فلسفہ تھا۔

اطباء ظاہر اور اطباء باطن میں فرق

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمام اطبا وحکماء ان حضرات کے سامنے بیوقوف ہیں کیونکہ وہ تو محسوس کے خواص دریافت کرتے ہیں اور یہ کچھ کمال نہیں حضراتِ اہل اللہ غیر محسوس کے خواص معلوم کرتے اور معانی کی تحلیل کرتے ہیں یہ بڑا کمال ہے پھر دونوں کے مقصود میں کتنا بڑا تفاوت ہے کہ وہاں تو مال مقصود ہے یا جاہ(۱) اور یہاں قرب حق میں ترقی مقصود ہے ان کے معالجات اور مقاصد کے سامنے اطباء کی تشخیص اور مقصود کی مثال ایسی ہے جیسے بچے گھروندہ یا پیر منا(۲) بناتے ہیں اور اس میں ایسے مشغول ہوتے ہیں کہ مغرب تک اسی کی اصلاح ودرستی میں لگے رہتے ہیں باپ ماں کہتے کہ رات ہوگئی اب یہ کھیل موقوف کرو مگر وہ اپنے گھر کی تعمیر میں مشغول ہیں۔ جب بچہ رات کو بھی وہاں سے نہیں ہٹتا تو باپ ایک لات مار کر اسے گرا دیتا ہے۔ اب بچہ روتا ہے کہ ہائے میرا گھر گرادیا۔ تو جو نسبت بچوں کے اس گھر کو ایک شاہی محل سرائے سے ہے وہی نسبت اطباء ظاہری کے علوم ومقاصد کو اہل اللہ کے علوم ومقاصد سے ہے۔

اپنا علاج خود نہ کرو

میں یہ کہہ رہا تھا کہ خود اپنی رائے سے کوئی درجہ تقوی کا اپنے واسطے اختیار نہ کرو کیونکہ تم علیل ہو رای العلیل علیل (۳)۔ بلکہ شیخ سے تجویز کراؤ۔ مریض کو خود حلوا نہ کھانا چاہئے بلکہ طبیب سے پوچھ کر کھانا چاہئے ممکن ہے وہ بھی حلوا

(۱) اقتدار (۲) مٹی کے گھر (۳) تم بیمار ہو اور مریض کی رائے قابل اعتبار نہیں ہوتی۔

کھلا دے مگر قیود کے ساتھ کھلائے گا مثلاً مقدار کم بتلائیگا یا بہت ہی کھلا دے مگر نسخہ میں اس کی رعایت کرلے گا اور یہ قاعدہ کچھ دین ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دنیا کے کاموں میں بھی جاننے والے کا اتباع کرنا چاہئے اسی میں سلامتی ہے پس سالک کو جائز نہیں کہ خود تجویز کرے کہ اس گناہ کے ذریعہ میں کفر سے بچ جاؤں گا لاؤ کرلوں۔

شیخ سے علاج کرانے کی ضرورت اور فائدہ

بلکہ شیخ سے دریافت کرے کہیں وہ بھی خود ایسا کرتے ہیں کہ مرید کو معصیت میں مبتلا دیکھتے ہیں اور نہیں روکتے بلکہ موقع کے منتظر رہتے ہیں مثلاً ایک شخص حرام نوکری پر ملازم ہے مگر پریشان ہے اس ملازمت سے کُڑھتا ہے بار بار چھوڑنے کا ارادہ کرتا ہے مگر توکل کی قوت نہیں نہ اس میں نہ بال بچوں میں اس وقت شیخ سوچتا ہے کہ ملازمت چھڑانے میں اس کے دین پر اندیشہ(۱) ہے ممکن ہے کہ اس سے زیادہ مفسدہ(۲) میں مبتلا ہوجائے مثلاً چوری کرنے لگے قرض کرکے مارنے لگے یا عیسائی ہوجائے یا کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلے غرض نوکری چھڑانے میں ہزاروں مصائب کا سامنا ہے اس وقت شیخ بھی یہی تجویز کریگا جو تم تجویز کرتے ہو کہ ملازمت نہ چھوڑو مگر اتنا فرق ہے کہ جب شیخ سے استفتاء کروگے تو اس کے فتوے میں کچھ قیود ہونگی اور تمہارے فتوے میں آزادی ہوگی مثلاً شیخ ایک یہ قید لگائیگا کہ اس نوکری کو حرام سمجھتے رہو دوسرے سونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتے رہو تیسرے یہ کہ اپنے احباب سے کہدو کہ میرے واسطے حلال ملازمت کی تلاش رکھنا اس طرح ان شاء اللہ بہت جلد حلال ملازمت مل جائیگی مگر حلال نوکری ملنے کے بعد بھی شیخ فوراً پہلی ملازمت کے چھوڑنے کا مشورہ نہیں دیتا بلکہ وہ یہ رائے دیتا ہے کہ رخصت لے لو دوسری نوکری کی حالت دیکھ کر پہلے سے استعفٰی نہ دینا،

(۱) دین کو خطرہ ہے (۲) برائی میں مبتلا ہوجائے۔

اس لئے ضرورت ہے تجویزِ شیخ کی کیونکہ تمام پہلوؤں کی رعایت تم خود نہیں کر سکتے۔

اس تقریر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ محقق کبھی ایسی مشقت نہیں ڈالتا جو تحمل سے باہر ہو اور اس کی یہ وجہ نہیں کہ شیخ اپنی طرف سے یہ مسئلے ایجاد کرتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شریعتِ مقدسہ نے خود احکام ایسے مقرر کئے ہیں جو تحمل سے باہر نہیں۔

تقاضائے نفس کی مخالفت نہ مشکل ہے نہ برداشت سے باہر

اور جن گناہوں کا دفعتاً چھوڑنا یا کسی طاعت کا بجالانا جو تحمل سے باہر معلوم ہوتا ہے اس کی یہ وجہ نہیں کہ فی نفسہ دشوار ہے بلکہ اس کی تنگی کا منشا یہ ہے کہ تقاضاءِ نفس حکم کی مزاحمت کرتا ہے اور اس مزاحمت کی مقاومت (۱) فی نفسہ تحمل سے باہر نہیں کیونکہ عمل کے وقت کوئی مزاحمت کرنے والا ظاہر میں نہیں ہوتا صرف اتنی بات ہے کہ اندر سے طبیعت متوجہ نہیں ہوتی تو دنیا کے بہت سے کام ایسے ہیں جن کو تمہاری طبیعت نہیں چاہتی مگر دل پر جبر کر کے تم وہ کام کرتے ہو مثلاً رات کے بارہ بجے تم سو رہے ہو کوئی دوست یا مہمان آ گیا طبیعت اٹھنے کو نہیں چاہتی مگر مہمان کی خاطر سے اٹھتے ہو اسی طرح خاندان میں کوئی تقریب ہو اور تمہارے ہاتھ میں گنجائش نہیں مگر عزیزوں کی خاطر سے جاتے ہو اور دل پر جبر کر کے شادی میں روپے دیتے ہو نیز حکام کی خاطر داری کو رشوت بھی دیتے ہو دعوتیں بھی کرتے ہو گو اندر سے دل نہیں چاہتا اور صدہا کام ہیں جو تم رات دن اپنی طبیعت کے خلاف کرتے ہو اس سے معلوم ہوا کہ تقاضاءِ نفس کی مخالفت دشوار نہیں اور تحمل سے باہر تو ہرگز نہیں اور دین کے کاموں میں جو کچھ تنگی ہے وہ اتنی ہی ہے کہ بعض دفعہ طبیعت متوجہ نہیں ہوتی اس سے زیادہ کچھ تنگی نہیں۔

---

(۱) اس مخالفت کی برداشت کا تحمل نہیں ہوتا۔

حق تعالیٰ کی رحمت وشفقت

پس حق تعالیٰ کو یہ بھی حق تھا کہ اس تنگی کی پروانہ فرماتے کیونکہ دنیا کے کاموں میں تم خود اس کی پروانہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ بندے پر اس سے زیادہ مہربان ہیں اس لئے اس تنگی کے رفع کرنے کی بھی تدبیر بتلاتے ہیں جس سے کڑوی دوا شیریں ہوجائے یہاں سے آپ کو حق تعالیٰ کی رحمت وشفقت کا اندازہ ہوگا کہ اول تو ایسی تنگی کو رفع کرنا(۱) چاہتے ہیں جس کو تم خود بھی دنیا کے کاموں میں رفع نہیں کرتے پھر تدبیر ایسی بتلاتے ہیں جو سہل الحصول(۲) ہے ایسی تدبیر نہیں بتلائی جو دشوار ہو جیسے بعض طبیب ایسی دوائیں نسخہ میں لکھتے ہیں جو دہلی کے سوا کسی جگہ نہ مل سکیں اور بعض طبیب ایسی دوائیں بتلاتے ہیں جو ہر جگہ مل جائیں مثلاً بخار کے لئے کونین بتلادی جو ہر جگہ ڈاکخانہ سے مل سکتی ہے پھر بعض طبیب تو کونین کی تلخی دور نہیں کرتے اور مریض اگر تلخی کی شکایت کرے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ دوا یہی کرنا ہو تو کرو ورنہ جاؤ مگر شفیق ڈاکٹر اس پر مٹھائی لپیٹ کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کو منہ میں ڈال کر نگل جاؤ چبانا نہیں بلاتشبیہ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ فرمایا ہے کہ تدبیر سہل الحصول بتلائی اس میں جو کچھ گرانی تھی اس کے رفع کرنے کی تدبیر بتلائی اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ ہم سے عبادت اچھی طرح ہونے لگے اور اس میں نفس کی مزاحمت کی وجہ سے جو کچھ تنگی تھی اس کو اللہ تعالیٰ ان آیات میں ایک تدبیر بتلا کر رفع فرماتے ہیں کہ ''صبر اور نماز سے مدد لو''۔

---

(۱) دور کرنا چاہتے ہیں (۲) جس کو اختیار کرنا آسان ہے۔

طاعات کی قسمیں

دو چیزوں سے مدد لینے کو اس لئے فرمایا کہ طاعات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن میں بعضے کام کرنے پڑتے بعض وہ جن میں کچھ کام چھوڑنے پڑتے ہیں مثلاً تقوی اختیار کرنا محبت الٰہی حاصل کرنا اخلاص دل میں پیدا کرنا یہ تو کرنے کے کام ہیں اور غیبت نہ کرنا چوری نہ کرنا جھوٹ نہ بولنا یہ چھوڑنے کے کام ہیں۔

اعمالِ وجودیہ میں تنگی کی وجہ

اور دونوں میں ایک قسم کی تنگی ہوتی ہے مثلاً نماز کا وقت آ گیا تو سستی اور کسل کی وجہ سے نہیں اٹھ سکتے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ طاعات وجودیہ میں قیود ہوتی ہیں جس سے نفس گھبراتا ہے کیونکہ نفس آزادی چاہتا ہے اور یہ کچھ طاعات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عمل وجودی میں کچھ قیود ہوتیں ہیں مثلاً مٹھائی کھانا عمل وجودی ہے اس میں بھی یہ قید ہے کہ ہاتھ چلاؤ مٹھائی تک ہاتھ لے جاؤ پھر منہ میں ڈالو اور چباؤ پھر نگلو۔ مگر یہ قیود کچھ دشوار نہیں ہیں ایسے ہی نماز کی قیود ہیں البتہ اگر کسی کو کھانا اور نگلنا بھی دشوار ہو تو اس کا کچھ علاج نہیں۔

عہدیوں کی حکایت

جیسے واجد علی شاہ کے زمانہ میں دو عہدی تھے ایک کے سینہ پر بیر رکھا تھا اس سے اتنا نہ ہوسکا کہ سینہ پر سے اٹھا کر منہ میں ڈال لے بلکہ اس کا منتظر رہا کہ کوئی دوسرا میرے منہ میں ڈال دے چنانچہ ایک سوار سامنے سے گذرا تو اس کی خوشامد کی کہ ذرا یہاں آنا وہ بیچارہ رحم کھا کر گھوڑے سے اتر کر اس کے پاس آیا اور پوچھا کیا کام ہے' کہا میرے سینہ پر جو بیر رکھا ہے اس کو اٹھا کر میرے منہ میں

ڈالدے اس کو بڑا غصہ آیا کہ نامعقول نے اتنے کام کے واسطے مجھے سواری سے اتارا اور دوچا بک رسید کئے پھر اس کے رفیق سے کہا نامعقول تو نے ہی اتنا کام کردیا ہوتا وہ کہنے لگا کہ بس بس خاموش رہئے میں اس کے منہ میں بیر ڈالوں گا کل میرے منہ میں کتا موت (۱) گیا اس کمبخت نے کتے کو تو ہٹایا نہیں' سوار نے دونوں پر لعنت بھیجی اور سوار ہوکر چلا گیا' تو بعضے ایسے بھی ہوتے ہیں جو پڑے پڑے بھی کھانے سے کسل (۲) کرتے ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ کوئی دوسرا ہمیں کھلادے ایسے لوگ اگر نماز کی قیود سے گھبرائیں تو ان سے خطاب نہیں غرض کسل کی اصل وجہ یہ ہے کہ نفس قیود سے گھبراتا ہے یہ تو اعمالِ وجودیہ کی تنگی کا سبب ہے۔

اعمال ترکیہ میں مشقت کی وجہ

اور جو کام نہ کرنے کے ہیں اس میں کچھ کرنا تو نہیں پڑتا بلکہ صرف چھوڑنا ہی چھوڑنا ہے مگر وہ اعمال وجودیہ سے بھی زیادہ شاق (۳) ہیں ان میں مشقت کا سبب یہ تو نہیں کہ ان میں قیود ہیں کیونکہ وہاں کوئی بھی قید نہیں اگر بولنے کا حکم ہو تو اس میں تو قیدیں ہونگی کہ عربی میں بولو یا ترکی میں اور کسی قسم کی باتیں کرو مگر نہ بولنے میں تو کچھ بھی قید نہیں سو اس میں مشقت کی وجہ یہ ہے کہ نماز تو پانچ منٹ میں ختم ہوجاتی ہے اور ترکِ غیبت میں ہر دم دل پر آرہ چلتا ہے کہ خبردار جو زبان چلائی۔ بار بار بولنے کا تقاضا ہوتا ہے مگر بولنا ممنوع ہے اس لئے خاموش ہے اور بولنے کا تقاضا اس لئے ہوتا ہے کہ غیبت کرنے میں دوسرے کی وقعت گھٹتی ہے اور اس میں حظِ نفس (۴) ہے کیونکہ نفس میں تکبر ہے وہ سب سے بڑا بننا چاہتا ہے اس لئے غیبت سے اس کو مزہ آتا ہے۔

(۱) کتا پیشاب کرگیا (۲) لیٹے لیٹے کھانے میں بھی سستی کرتے ہیں (۳) زیادہ بھاری ہیں (۴) اس سے دل خوش ہوتا ہے۔

غیبت کا نقصان

مگر یہ نہیں سمجھتا کہ جس طریق سے تم دوسروں کی جاہ(۱) کم کرتے ہو وہی تمہاری ذلت کا بھی سبب ہوگا کیونکہ تمہارے کلام سے تو مخاطب کے دل سے اس شخص کی وقعت نکلے گی جس کی تم نے غیبت کی تھی پھر وہ اس کے ساتھ ایک مقدمہ ملائیگا کہ جب ایسا شخص بُرا ہوگیا جو سالہا سال سے اچھا تھا تو یہ راوی ہی کونسا معصوم ہے بس یہ بھی قابل اعتبار نہیں۔ نیز جب تم دوسروں کی غیبت کروگے تو مخاطب کو دوسروں کے بُرا سمجھنے کی عادت ہوجائے گی آج اس نے غیر کو بُرا سمجھا کل کو تمہیں بھی بُرا سمجھنا اسے دشوار نہ ہوگا غرض جاہ میں مال سے زیادہ حظ(۲) ہے اسی لئے نفس کو غیبت میں حظ آتا ہے مگر یہ حماقت ہے کیونکہ چار پیسے ہاتھ میں ہوں تو دس کام چلیں گے اور چند لوگوں کی تعریف سے کیا ہوجائیگا۔

لوگوں کی تعریف سے دھوکا نہ کھاؤ

دیوبند میں ایک رئیس نے اپنے لڑکے کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی تھی تو مولانا قاسم صاحب (نور اللہ مرقدہٗ) نے نہایت لطافت کے ساتھ نصیحت فرمائی کہ جتنی رقم آپ نے دھوم دھام میں لگائی ہے اگر اس کی جائیداد خرید کر بیٹے کو دیتے اس کے کام آتی اور اب جو چیز آپ نے خریدی ہے یعنی نام وہ ایک کوڑی کو بھی نہیں بک سکتا۔ واقعی جاہ کی کچھ بھی قیمت نہیں محض خیالی چیز ہے پھر جاہ سے سب کے دلوں میں تو عظمت پیدا نہیں ہوتی خواہ کتنی ہی کوشش کرو بلکہ حالت یہ ہے کہ ایک شخص کو ایک تو قطب اور بایزید سمجھتا ہے اور دوسرا شمر و یزید سمجھتا ہے اس لئے چند معتقدوں کی تعریف سے مغرور ہونا بڑی حماقت ہے مگر باوجود اس کے اکثر عقلاء

(۱) عزت کم کرتے ہو (۲) مزہ ہے۔

بلکہ بعضے علماء و مشائخ بھی اس مرض میں مبتلا ہیں کہ جہاں کسی نے ان کے ہاتھ چومے اور وہ سمجھے کہ ''ہمچو من دیگرے نیست'' (۱) یہ سراسر حماقت ہے اور بیوقوف ہے جو اس سے دھوکے میں آتا ہے۔

بطورِ مثال میاں جی کی حکایت

جیسے ایک میاں جی سے لڑکوں نے چھٹی لینا چاہی تو سب نے اتفاق کرلیا کہ آج میاں جی کو بیمار بناؤ' جب وہ مکتب میں آئیں ہر شخص یکے بعد دیگرے ان کی مزاج پرسی کرے کہ آج کیسی طبیعت ہے کچھ چہرہ اترا ہوا ہے منہ پر زردی چھارہی ہے چنانچہ ایسا ہی کیا' میاں جی نے ایک دو کو تو دھمکا دیا مگر جب سب نے یہی کہنا شروع کیا تو ان کو بھی وہم ہوگیا اور وہ اچھے خاصے بیمار بن کر گھر چلے گئے اور مکتب بند کر کے لڑکوں کو چھٹی دیدی۔ حکایت تو ہنسی کی ہے مگر یہ بات سچی ہے کہ جہاں چند آدمیوں نے کچھ کہنا شروع کیا اس سے مخاطب کو وہم ہوجاتا ہے۔

لوگوں کے حضرت حضرت کہنے سے دھوکا نہ کھانا

چنانچہ جہاں چار آدمیوں نے ہاتھ پیر چومنا حضور حضرت حضرت کہنا شروع کیا اب آپ سمجھے کہ ہاں میں بھی کچھ ہوں جبھی تو یہ سب مجھے حضرت حضرت کہتے ہیں مجھے یہ حضرت کا لفظ اپنے لئے بہت ہی گراں معلوم ہوتا ہے ایک مرتبہ میں نے اپنے احباب کو اس سے منع کیا اور کہہ دیا کہ ایسا ہی تعظیم کو دل چاہتا ہے تو مولوی مولانا کہہ دیا کرو یہ حضرت کیا نکالا ہے پھر میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر حقیقت کی رعایت ضروری نہیں تب بھی اس لفظ کا ایک وقت ہے اسے آنے دو یعنی بال سفید ہونے دو پھر حضرت کہہ لینا۔ ہمارے یہاں ایک بڑھیا تھی اس نے ایک

(۱) میرے جیسا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

بزرگ کی شان میں لوگوں کی زبان سے حضرت حضرت سنا تو ہمارے گھر آ کر کہنے لگی کہ اے بوا' لوگ فلاں شاہ جی کو حضرت حضرت کہتے ہیں بھلا کہیں حضرت ہگا بھی کرتے ہیں اور وہ تو ہگتے موتتے ہیں تو اس کے نزدیک حضرت کہلانے کا مستحق وہ ہے جو بالکل فرشتہ ہو کہ نہ کھائے نہ پیئے نہ ہگے نہ موتے۔

خیر یہ افعال تو واقع میں حضرتیت کے خلاف نہیں مگر جو باتیں اس کے خلاف ہیں وہ تو ان حضرت کو خود معلوم ہیں پھر وہ دوسروں کے کہنے سے اپنے کو حضرت کیوں سمجھنے لگے مگر حالت یہ ہے کہ دوسروں کی تعریف سے ہم خود بھی اپنے معتقد ہو جاتے اور یہ وہم کرنے لگتے ہیں کہ ہم کسی قابل نہ ہوتے تو لوگ ایسا کیوں سمجھتے ان کی وہی مثال ہے جیسے ایک شخص نے دلال کو گھوڑا دیا کہ اس کو فروخت کر دو میں اس کو رکھنا نہیں چاہتا دلال نے اس کو بازار میں کھڑا کر کے اپنے قاعدہ کے موافق جھوٹ موٹ شاعرانہ طریق سے اس کی تعریف شروع کی کہ یہ گھوڑا ایسا ہے اور ویسا ہے یہ تعریفیں سن کر مالک کہنے لگا کہ اگر ایسا ہے تو ہم نہیں بیچتے اس کو ہم ہی رکھیں گے تو جیسے اس شخص کا ساری عمر کا تجربہ ایک دلال کی تعریف سے بدل گیا اور جھوٹی مدح سے اپنے گھوڑے کا معتقد بن گیا اسی طرح ہم لوگ دوسروں کی جھوٹی تعریفوں سے خود ہی اپنے معتقد ہو جاتے ہیں اور معتقدوں کی تعریف کا یہ حال ہے کہ بعض دفعہ پیر کی جھوٹی کرامتیں گھڑی جاتی ہیں خود میری نسبت ایک دفعہ مشہور کیا گیا کہ ایک ہی دن میں تھانہ بھون(۱) میں بھی تھا اور چرتھاول میں بھی تھا حالانکہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں

(۱) بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک بزرگ دو جگہ نظر آتے ہیں اس میں بعض دفعہ تو بزرگ کا تصرف ہوتا ہے کہ دوسری جگہ اپنی صورت مثالیہ کو بھیج دیتے ہیں اور بعض دفعہ بزرگ کا تصرف نہیں ہوتا نہ ان کو اطلاع ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ شیخ کی صورت میں کسی لطیفۂ غیبی کو بھیج دیتے ہیں تاکہ سالک و مرید کی امداد و تسلی کی جائے بہرحال اس صورت میں یہ سمجھنا کہ شیخ ایک وقت میں دو جگہ تھے صحیح نہیں بلکہ یہ احتمال بھی ہونا چاہئے کہ شاید شیخ کو اس کی اطلاع بھی نہ ہو کہ میری صورت دوسری جگہ ظاہر ہوئی ہے ۱۲ ظ' مگر اس واقعہ میں یہ بھی نہ تھا بلکہ میں نے اس واقعہ کی خود تحقیق کی معلوم ہوا کہ راوی اول نے ایک موقع پر ایک بزرگ کو پشت کی طرف سے دیکھا تھا اس کو دھوکا ہو گیا پھر اوروں سے کہہ دیا شہرت ہو گئی ۱۲ اشرف علی۔

کہ میں ایک وقت میں دو جگہ ہرگز نہ تھا اور کیونکر ہوتا جب کہ یہ حال ہے کہ ؎

از بروں طعنہ زنی بر بایزید وز درونت ننگ می دارد یزید (۱)

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اعمال عدمیہ کا اہتمام یعنی غیبت وغیرہ کا ترک اس لئے دشوار ہے کہ اسمیں حظِ نفس ہے اس سے بزعم خود جاہ وغیرہ حاصل ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی دشواری کا علاج فرمایا اور دونوں قسم کے کاموں کو آسان کر دیا علاج کا حاصل یہ ہے کہ صبر وصلوٰۃ کی پابندی کرو۔

صبر کے معنی اور فائدہ

صبر کے معنی ہیں کہ نفس کو ناگوار باتوں کا عادی بنایا جائے یعنی خواہش نفس کی مخالفت کی جائے چونکہ ترک میں دشواری اسی لئے ہے کہ حظِ نفس فوت ہوتا ہے (۲) اس لئے جو شخص مخالفت نفس کا عادی ہوجائیگا اس کو تمام تروک آسان ہوجائیں گے کیونکہ ترکِ غیبت نفس کو اسی لئے شاق ہے کہ اس میں حظ ہے نظرِ بد کا ترک اسی لئے شاق ہے کہ نظر بد میں لذت ہے اور تمام محرمات کا ترک اسی لئے دشوار ہے کہ حرام میں لذت ہے ان سب کی دشواری رفع کرنے کے لئے صبر کی تعلیم کی گئی کہ نفس کو ناگوار امور کا عادی بناؤ نفس کی مخالفت کرو اس کی خواہش کو پورا نہ کرو۔

اعمالِ وجودیہ میں مشقت کا علاج

اور اعمال وجودیہ نماز وزکوٰۃ وحج وغیرہ اس لئے شاق ہیں کہ ان میں قیود ہیں انکی مشقت کا علاج یہ بتلایا گیا کہ نماز کے عادی بنو تاکہ اس کی عادت سے قیود کی پابندی کی عادت ہو یہ خلاصہ ہے دونوں آیتوں کی تعلیم کا۔

(۱) ظاہری حالت ایسی بنا رکھی ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے بزرگ پر طعنہ زنی کرتے ہو باطن کا حال یہ ہے کہ یزید بھی تمہاری حالت پر شرمندہ ہوجائے (۲) گناہوں کو چھوڑنے میں دقت اس لئے ہے کہ نفس کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔

صبر وصلوٰۃ کی پابندی کا فائدہ

اب یہاں یہ سوال ہوگا کہ صبر اور صلوٰۃ بھی تو خود شاق ہیں پس لازم یہ تھا کہ ان سے بھی آسان تر تدبیر بتلائی جاتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں اور اعمال کے اعتبار سے آسان ہیں یہ زیادہ دشوار نہیں اس کی وہی مثال ہے جیسے ان بزرگ نے مرید کو بھینس کا مراقبہ تعلیم کیا تھا گو یہ مراقبہ بھی آسان نہ تھا مگر دوسری تدابیر کے مقابلہ میں آسان تھا پھر جیسے مراقبہ جاموس (۱) سے مراقبۂ مقصود میں کام لیا گیا کہ اس کو اس طرف مائل کر دیا گیا اسی طرح نماز سے تمام طاعات میں کام لیا گیا ہے کہ اس کا عادی بنا کر تمام احکام کا عادی بنانا سہل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں تعلیم عقائد کے بعد اعمال میں سب سے پہلے نماز اور صبر کی تعلیم دی گئی چنانچہ جب تک حضور ﷺ مکہ میں رہے مسلمان زیادہ تر انہی دو باتوں کے مکلّف تھے یعنی نماز کے اور کفار کی ایذاؤں پر صبر وتحمل کے (۲)

غرض اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ نماز اور صبر کی پابندی کو تمام اعمال کی سہولت میں بڑا دخل ہے۔

ایک اشکال کا جواب

ایک بات پہلے بیان کرنے سے رہ گئی تھی اب بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ شاید کسی کو اس حکایت پر کہ بزرگ نے اپنے مرید کو بھینس کا مراقبہ تعلیم کیا تھا یہ شبہ ہو

---

(۱) بھینس کے مراقبے سے (۲) محرمات میں سے زنا وسرقہ وقطع رحم وکذب واخلاف وعدونحوہا کے چھوڑنے کا امر کیا گیا تھا بقیہ احکام محرمات کے متعلق بعد میں حکم نازل ہوا اور جن محرمات کے ترک کا مکہ میں حکم ہوا یہ وہ امور تھے جن کی قباحت عام طور سے تمام لوگوں کے ذہن میں مرکوز تھی اس لئے ان کا ترک دشوار نہ تھا ۱۲ ظ۔

کہ انہوں نے یہ طریقہ اچھا اختیار نہیں کیا کہ غریب کو مدت تک بھینس کے مراقبہ میں مشغول رکھا اگر اس کے بجائے ذات وصفات کے مراقبہ میں مشغول رکھتے تو کیا اچھا ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مراقبہ ذات وصفات لطیف غذا ہے اور لطیف غذا ہر معدہ کے مناسب نہیں ہوتی بلکہ بعض کو اول مسہل (۱) اور منضج کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بعد وہ لطیف دوا مثلاً خمیرہ گاؤ زبان اور لطیف غذا پلاؤ وغیرہ کے قابل ہوتا ہے تو جیسے طبیب جسمانی بعض دفعہ کڑوی اور بدمزہ دواؤں سے علاج کرتا ہے اور بعد میں لطیف دوا وغذا بتلاتا ہے اسی طرح طبیب روحانی کبھی ادنیٰ چیز کو تجویز کرتا ہے کیونکہ مریض کے موافق وہی ہے ابھی وہ اعلیٰ شئے کے قابل نہیں ہے پھر تدریجاً ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی دیتا ہے چنانچہ ان بزرگ محقق نے دیکھا کہ اس شخص کا دل علائقِ مختلفہ (۲) میں پھنسا ہوا ہے اور اس حالت میں دفعتاً وہ تعلق مع اللہ کا اہل نہیں کیونکہ تعلق مع اللہ کے لئے فراغ قلب (۳) کی ضرورت ہے پھر انہوں نے یہ دیکھا کہ ہر ہر تعلق کا الگ الگ قلب سے نکالنا طول طویل قصہ (۴) ہے ساری عمر اسی میں ختم ہوجائے گی تعلق مع اللہ کبھی نصیب نہ ہوگا وہی قصہ ہوگا۔

تا تو بمن می رسی من بخدامی رسم (۵)

جیسے کوئی شخص گھر میں سے کوڑے کو اس طرح صاف کرنا چاہے کہ ایک ایک تنکا اور پتھر الگ الگ اٹھائے تو اس میں بہت زمانہ صرف ہوگا آسان تدبیر یہ ہے کہ جھاڑو ہاتھ میں لے کر سب کو ایک طرف سے سمیٹنا شروع کرو اسی طرح ان بزرگ نے تجویز کیا کہ اس شخص کے دل کو جھاڑو سے صاف کرنا چاہئے چنانچہ

(۱) ایسی دوا کی ضرورت ہوتی ہے جس سے دست آکر پیٹ صاف ہوجائے (۲) مختلف تعلقات میں الجھا ہوا ہے (۳) دل کے دوسرے تعلقات سے خالی ہونے کی ضرورت ہے (۴) ہر ایک کا تعلق دل سے ختم کرنا ایک مشکل کام ہے (۵) جب تک تم میرے پاس پہنچو گے میں اللہ کے یہاں پہنچ چکا ہوں گا۔

بھینس کے مراقبہ کو انہوں نے جھاڑو بنایا اور اس کو اس لئے تجویز کیا کہ مرید کو بوجہ محبت جاموس کے یہ مراقبہ آسان تھا(۱) اس جھاڑو نے تمام تعلقات کو ایک دم سے سمیٹ کر دل سے نکال دیا اب صرف اس جھاڑو کا الگ کرنا باقی رہ گیا اس کو شیخ نے ایک توجہ سے نکال باہر کیا اب دل بالکل صاف ہوگیا تو اس میں مراقبۂ حق اور تعلق مع اللہ کی صلاحیت پیدا ہوگئی اس کے بعد اس کو مراقبۂ حق اور ذکر اللہ تعلیم کر کے بہت جلد واصل بنادیا۔

شیخ محقق کا قاعدہ اصلاح

دوسرے یہ کہ شیخ محقق کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ صفاتِ نفسیہ کے ازالہ(۲) کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ان کے امالہ کی تدبیر کرتا ہے کیونکہ صفاتِ نفسیہ سب محمود ہیں ان میں برائی اس سے آتی ہے کہ بے موقع استعمال کیا جاتا ہے ورنہ حب وبغض وکبر وبخل وغضب فی نفسہ سب محمود ہیں(۳) اگر انکا مصرف صحیح ہو جب یہ بات سمجھ گئے تو سمجھو کہ جس شخص کے دل میں غیر اللہ کی محبت ہے تو محبت فی نفسہ مذموم(۴) نہیں بلکہ بہت کام کی چیز ہے مذموم صرف یہ ہے کہ محبت کا تعلق محل صحیح کے ساتھ نہیں تو محقق اس صورت میں محبت کو فنا کرنے کی سعی(۵) نہ کریگا بلکہ اس کو باقی رکھ کر اس کا رخ بدل دیگا جیسے گاڑی انجن کے ساتھ لگی ہوئی جارہی ہو مگر انجن کی رفتار غلط ہو کہ الٹا جارہا ہو تو ناواقف اس صورت میں انجن کی اسٹیم کو بجھانا چاہے گا محقق ایسا نہ کریگا کیونکہ اسٹیم تو بڑے کام کی چیز ہے وہ یہ کریگا کہ انجن کی رفتار کو بدل دیگا یعنی کل موڑ کر مشرق سے مغرب کی طرف پھیر دیگا۔ تو ان بزرگ

(۱) بھینس سے محبت ہونے کی وجہ سے اسکا مراقبہ آسان تھا (۲) نفس کی صفات کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ان کا مرکز بدل دیتا ہے (۳) محبت، عبادت، تکبر، کنجوسی، غصہ وغیرہ تمام صفات اپنی ذات کے اعتبار سے اچھی ہی ہیں اگر ان کا محل صحیح ہو غیر محل میں استعمال کرنے کی وجہ سے برائی آتی ہے (۴) بُری نہیں (۵) جذبہ محبت ختم کرنے کی کوشش نہیں کریگا۔

نے ایسا ہی کیا کہ جب اس مرید کے دل میں بھینس کی محبت معلوم ہوئی تو انہوں نے محبت کو زائل نہیں کیا بلکہ اس کو اور بڑھایا کیونکہ محبت فی نفسہ طریق میں بڑے کام کی چیز ہے کہ اس سے تمام تعلقات جلد قطع ہوجاتے ہیں جب یہ محبت اچھی طرح بڑھ گئی اور اسٹیم گرم ہوگیا اب شیخ نے انجن کی کل موڑ دی اب وہی محبت کی اسٹیم تعلق مع اللہ میں کام کرنے لگی اس لئے ہمارے حاجی صاحبؒ فرماتے تھے ''محقق رذائل کا ازالہ نہیں کرتا بلکہ امالہ کیا کرتا ہے'' یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

صبر ونماز میں شانِ جامعیت

اب میں اصل بیان کی طرف عود کرتا ہوں' میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دو کاموں کی تعلیم دی ہے کہ انکو کرتے رہو تو سب احکام پر عمل کرنا آسان ہوجائیگا یعنی صبر ونماز کی پابندی کرو۔ یہ ایسا ہے جیسے کتابت میں اول الف' ب' ت کا لکھنا سکھاتے ہیں اگر استاد جاہل ہوگا وہ اول ہی سے گلستان کی عبارت لکھوانا شروع کرے گا مگر محقق ایسا نہیں کریگا۔ گو مقصود یہی ہے کہ طویل عبارت لکھنا آجائے مگر اس کا سہل طریق یہ ہے کہ حروفِ مفردہ سے ابتدا کی جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تعلیم میں سہل طریق اختیار فرمایا ہے گو مقصود یہی ہے کہ تمام احکام پر عمل کیا جائے۔

اب سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دو عبادتیں اس لئے تجویز فرمائی ہیں کہ ان میں جامعیت کی شان ہے اگر ان میں جامعیت نہ ہوتو وجہ ترجیح کچھ نہ ہوگی کیونکہ تمام عبادات میں اسی عمل سے سہولت ہوسکتی ہے جو سب کا جامع ہو' لیکن ہم کو وجہ جامعیت کی تلاش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ طبیب کامل کی تشخیص کے بعد کوئی بھی نسخہ کے اجزاء کے متعلق یہ سوال نہیں کرتا کہ یہ دوا کیوں لکھی اور اس کا وزن اتنا کیوں لکھا' مگر آج کل دین کے بارے میں فضول سوالات کا لوگوں کو بہت مرض

ہوگیا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ دوائیں دو قسم کی ہیں بعض بالخاصہ مفید ہیں جو تجربہ سے کسی مرض میں خاص طور پر نافع ثابت ہوئی ہیں جس کی علت خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور بعض موثر بالکیفیت یعنی اپنے مزاج حرارت یا برودت کی وجہ سے نافع ہوتی ہیں مگر حقیقت میں جو ادویہ مؤثر بالکیفیت ہیں وہ بھی موثر بالخاصیت ہی ہیں کیونکہ ایک مریض کے لئے جو نسخہ تجویز کیا جاتا ہے اگر مخزن(۱) دیکھ کر انہی ادویہ کے مزاج کے موافق دوسری دوائیں اختیار کی جائیں تو نفع نہیں ہوسکتا مثلاً زکام میں بنفشہ اور گاؤزبان دیا جاتا ہے اگر آپ ان کے مزاج کے موافق دوسری ادویہ استعمال کریں تو ہرگز نفع نہ ہوگا تو اب یوں ہی سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے جو تدابیر بیان فرمائی ہیں وہ بالخاصہ تمام اعمال میں سہولت پیدا کرتی ہیں تم کو وجہ اور سبب تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے مگر حالت یہ ہے کہ لوگوں کو طبیب کے نسخہ سے تو تسلی ہوجاتی ہے وہاں کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ دوائیں کیوں لکھیں دوسری کیوں نہ لکھیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ جانتے ہیں کہ طبیب ماہر فن ہے پھر حیرت ہے کہ حق تعالیٰ کی تجویز کے بعد سوال کیوں کیا جاتا ہے کیا خدا تعالیٰ پر اعتماد نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ صبر اور نماز میں خاصیت ہی یہ ہے کہ ان سے تمام طاعات آسان ہوجاتی ہیں وجہ بیان کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں۔

نماز میں تمام عبادات موجود ہیں، اُس کی تفصیل

اور اگر ایسا ہی شوق ہے تو ہم تبرعاً اس کو بھی بتلاتے ہیں سنئے نماز میں جامعیت کی شان ہے یعنی جتنی طاعات شعائر دین ہیں وہ اکثر نماز میں موجود ہیں۔ اس میں روزہ بھی ہے اور زکوٰۃ بھی حج بھی اور اعتکاف وغیرہ بھی چنانچہ نماز میں اللہ اکبر کے بعد نہ کھانا ہے نہ پینا ہے نہ بولنا ہے یہ روزہ کی شان ہے بلکہ روزہ سے بھی بڑھ کر کیونکہ روزہ میں بولنا ممنوع نہیں تو اگرچہ نماز میں تھوڑی ہی دیر کا روزہ

(۱) دواؤں اور نسخوں کی کتاب کا نام ہے۔

ہے مگر سخت روزہ ہے اور حج کی روح توجہ الی البیت ہے اور یہاں نماز میں بھی توجہ الی البیت موجود ہے چنانچہ حکم ہے: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾(۱) سب جانتے ہیں کہ استقبالِ بیت نماز میں فرض ہے اور زکوٰۃ کی روح اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنا ہے نماز میں یہ بات بھی موجود ہے کیونکہ نماز میں سترِ عورت فرض ہے اس کے لئے کپڑا بنانا انفاق فی سبیل اللہ ہے اسی طرح اعتکاف میں بھی ایک حصۂ مسجد میں مقید ہوتا ہے نماز میں بھی یہ بات موجود ہے کہ مقام صلوٰۃ میں مقید ہونا ضروری ہے کہ چلنا پھرنا ممنوع ہے بلکہ یہ حبس اعتکاف کے حبس سے اشد ہے کیونکہ اعتکاف میں تو مسجد کے اندر حبس ہوتا ہے جو وسیع مکان ہے اس میں چلنا پھرنا بھی جائز ہے اور نماز میں ایک ہی مکان میں قید ہے کہ چلنا پھرنا بھی جائز نہیں پھر نماز کے اندر تلاوتِ قرآن بھی ہے اذکار بھی مختلف قسم کے ہیں دعا بھی ہے درود شریف بھی ہے غرض نماز ایک جامع عبادت ہے اس کی پابندی اور عادات سے تمام اعمالِ وجودیہ شرعیہ میں اس سے مدد ملتی ہے بلکہ ایک آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کام چھوڑنے کے ہیں ان میں بھی نماز سے مدد ملتی ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾(۲) کہ نماز بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس پر شاید یہ سوال کسی کے دل میں آیا ہوگا کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعضے نمازی بھی بُرے کام کرتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کا فحشاء و منکر سے منع کرنا ایسا ہے جیسا یوں کہتے ہیں کہ قانون چوری اور زنا و غصب و ظلم سے روکتا ہے اس کے یہ معنی نہیں

(۱) ''پھر اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے'' سورۂ بقرہ: ۱۴۴ (۲) ''بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ باتوں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے'' سورۂ عنکبوت: ۴۵۔

ہیں کہ قانون ہاتھ پکڑ کر روک دیتا ہے بلکہ معنی یہ ہوتے ہیں کہ قانون کا مقتضاء یہ ہے کہ غصب نہ کرو رشوت نہ لو۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ باپ کی عظمت بے ادبی سے روکتی ہے یعنی باپ کی عظمت کا مقتضاء یہ ہے کہ اس کی بے ادبی نہ کی جائے' یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ نماز کا مقتضاء ہے فحشاء سے روکنا کیونکہ وہ درباری ہوگیا ہے اور درباری بننے کے بعد اس سے ایسے افعال کا صادر ہونا جو درباریوں کے شایانِ شان نہیں بعید ہے کہ آج تو عبادت وخشوع ظاہر کررہا ہے اور کل کو اس کے خلاف کررہا ہے (۱) تو نماز کی یہ بھی ایک خاصیت ہے کہ وہ محرمات سے روکتی ہے اور نفع پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ عبادات وجود یہ کو آسان کردیتی ہے۔

نماز کا امتیاز

مگر افسوس آج کل نماز کی بالکل پروانہیں حالانکہ یہ اتنی بڑی چیز ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں ((ما کنا نری ترك شیء کفرا سوی الصّلٰوۃ او نحوہ)) کہ ہم کسی کام کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے بجز نماز کے اس کا چھوڑنا اس وقت کفر سمجھا جاتا تھا کیونکہ نماز ایسی ہی چیز ہے کہ مسلمانوں کا قومی امتیاز ہے اس لئے اُس زمانہ میں اس امتیاز کی ہر مسلمان حفاظت کرتا تھا اور جو شخص نماز نہ پڑھتا اس کے اوپر کفر کا شبہ ہوتا تھا۔

آجکل نئی روشنی والوں کو قومی امتیاز کا بڑا اہتمام ہے میں ان سے کہتا ہوں کہ وہ نماز کو قومی امتیاز ہی سمجھ کر اختیار کرلیں اس سے بڑھ کر قومی امتیاز کیا ہوگا جو حضور ﷺ کے زمانہ سے لیکر قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا خاص امتیاز ہے کہ امیر وغریب شریف ودنی سب میں مشترک ہے جس سے کفار کو صاف معلوم ہوجاتا

(۱) اور تجربہ ہے کہ نمازی آدمی کو بُرے کاموں سے حیا آتی ہے اور یقیناً بے نمازیوں کے مقابلہ میں نمازی آدمی جرائم پر بہت کم اقدام کرتے ہیں ۱۲ظ۔

ہے کہ یہ سب لوگ ایک قوم ہیں ایک مذہب کے ہیں۔ پس میں اخیر درجہ میں مجبور ہوکر کہتا ہوں کہ اگر نماز کو دین اور عبادت سمجھ کر نہیں پڑھتے تو امتیازِ قومی سمجھ کر پڑھ لیا کرو۔ افسوس ہم نے زمانہ ہی ایسا پایا ہے جس میں یہ بات زبان پر آ گئی حالانکہ نماز کے متعلق مسلمانوں سے ایسی بات کہتے ہوئے اس قدر شرم آتی ہے کہ زمین میں گڑ جانا اس سے سہل معلوم ہوتا ہے(۱) اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو فرمایا ہے کہ ہم ترکِ صلوٰۃ کفر سمجھتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ تارکِ صلوٰۃ (۲) حقیقتاً کافر ہوجاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی مسلمان تارکِ صلوٰۃ نہ تھا اگر کوئی تارکِ صلوٰۃ نظر آتا تو اس پر کافر ہونے کا شبہ ہوتا تھا کیونکہ اسلامی علامت کے فوت ہونے سے صورت تو کفر کی ہوگئی۔

ترکِ صورت کا اثر

اور صورت کے فوت ہونے کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ میرے گھر سے مدرسہ میں مہمان کے لئے کھانا آیا تو منتظم نے مجھ سے پوچھا کہ وہ مہمان کہاں ہیں حالانکہ وہ میرے پاس ہی بیٹھے تھے اور منتظم نے پہلے ان کو دیکھ بھی لیا تھا میں نے کہا تجھ کو نظر نہیں آتے یہ میرے پاس بیٹھے ہیں کہنے لگا کہ یہ تو پہلے چادر اوڑھے ہوئے تھے اور اِس وقت چادر ان کے بدن پر نہیں' میں نے مہمان سے ہنس کر کہا آج سے یہ بھی یاد کر لیجئے کہ نئی جگہ جس حالت اور لباس میں پہنچو شروع سے اخیر تک اسی حالت میں رہو ورنہ بھوکے مرو گے' خیر یہ حکایت تو ہنسی کی ہے مگر اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے کہ انسان کی امتیازی شان بدلنے سے وہ خود بدل جاتا ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر میں دوسرا شخص دکھائی دیتا ہے صاحبو! تمہاری اصل چادر نماز ہے اگر تم اسکو ترک کردو گے تو ہم کیسے سمجھیں کہ تم خدا کے مہمان ہو۔

(۱) زمین میں دفن ہوجانا اس سے آسان لگتا ہے (۲) بے نمازی۔

نماز باجماعت کے چھوڑنے پر وعید

نماز کی تاکید کے متعلق ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' میں ارادہ کرتا ہوں کہ ایک شخص کو مسجد میں امام بناؤں اور خود ان لوگوں کو تلاش کروں جو عشاء کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتے (اور ان کو کوئی عذر بھی نہیں) پھر اپنے غلاموں کو حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کر کے ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگا دیں'' عشاء کی تخصیص اس لئے فرمائی ہے کہ منافقین اس وقت کی جماعت میں نہیں آتے تھے' اللہ اللہ! حضور کی تو ایسی شفقت و رحمت ہے کہ باوجودیکہ کفار کو بھی آگ سے جلانا آپ کو گوارا نہ تھا جیسا حدیثوں میں وارد ہے مگر ترکِ جماعت کے لئے آپ ﷺ نے اس کا ارادہ فرمایا اس سے سمجھ لیجئے کہ جماعت کا شریعت میں کس قدر اہتمام ہے پس نماز کی پابندی کے ساتھ جماعت کی پابندی کرنا چاہئے البتہ اگر کوئی عذر مانع ہو تو خیر مگر عذر بھی آپ کا تراشا ہوا نہ ہو بلکہ شریعت کا مانا ہوا عذر ہو۔ یہ تو آپ کے لئے حکم ہے یعنی ہر مکلّف کے لئے کہ ترکِ جماعت پر عذر شرعی سے اقدام کرے بدون اس کے نہ کرے۔

بدگمانی سے بچو

اور ناصح کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر کوئی مسلمان جماعت سے نماز نہ پڑھتا ہو اس پر بلاوجہ بدگمانی نہ کرے بلکہ حتی الامکان مسلمان کی حالت کو محمل حسن پر محمول کرے کہ شاید اس کو کوئی عذر شرعی ہوگا جو مجھے معلوم نہیں کیونکہ بعض اعذار مخفی بھی ہوتے ہیں جن کا علم ہر شخص کو نہیں ہوسکتا۔(۱)

(۱) مثلاً کسی کے مخفی جگہ زخم ہے جو ہر وقت بہتا ہے مگر تھوڑی دیر کو بند بھی ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے اس شخص کو خون کے بند ہونے کا انتظار لازم ہے جماعت کی پابندی لازم نہیں یا اس کی یہ حالت ہے کہ اس کا نفس تقوی کا ←

امر بالمعروف اہل اللہ کا منصب ہے

بعض دفعہ طبیب روحانی ایسے اعذار کو ترک جماعت کے لئے عذر مان لیتا ہے جن کو اہل ظاہر عذر نہیں مان سکتے اس لئے سچ یہ ہے کہ امر بالمعروف صرف اہل اللہ کا منصب ہے اہلِ ظاہر کا منصب نہیں بعض دفعہ اہلِ ظاہر امر بالمعروف میں ایسی غلطی کرتے ہیں کہ بجائے اصلاح کے فساد بڑھ جاتا ہے۔

متشددانہ نصیحت کا نقصان

چنانچہ کانپور میں ایک رئیس نماز تو پڑھتے تھے مگر کبھی مؤخر کر دیتے تھے اتفاق سے ایک واعظ ان کے یہاں مہمان ہوئے انہوں نے رئیس کو اس کے متعلق تاکید کی اور سختی سے تاکید کی، رئیس نے کہا حضرت ہم دنیا دار لوگ ہیں زیادہ ہمت نہیں سختی نہ کیا کیجئے۔ مگر واعظ صاحب نے ان کا ایسا پیچھا لیا کہ صبح کی نماز کے لئے بہت سویرے سے ان کو جگا دیتے اور سخت الفاظ سے ان کو ملامت کرتے کہ جانوروں کی طرح پڑے سو رہے ہیں جگانے سے بھی نہیں اٹھتے، ایک دو روز تو رئیس نے صبر کیا مگر جب وہ سختی سے باز نہ آئے تو ایک دن رئیس کو غصہ آ گیا اور اس نے جواب دیا کہ نماز تمہاری نہیں نہ تمہارے باوا کی جاؤ ہم نماز ہی نہیں پڑھتے، بعد میں یہ رئیس کہتے تھے کہ اس کلمہ کی ایسی نحوست ہوئی کہ مجھے بیس برس تک نماز ہی کی

→ اعلیٰ درجہ حاصل نہیں کر سکتا اس لئے اس نے ادنیٰ درجہ ہی پر نفس سے صلح کر لی ہے اگر وہ نفس کو پابندی جماعت پر مجبور کرے تو اندیشہ ہے کہ نماز ہی سے رہ جائے گا۔ اس چور نے اپنے نفس سے ہیرا پھیری پر صلح کر لی تھی اگر یہ بھی نہ کرتا تو سرقہ میں مبتلا ہو جاتا اور یہ ایسا عذر ہے جس کی اطلاع دوسروں کو نہیں ہو سکتی اس لئے ناصح کو امر بالمعروف میں بہت احتیاط اور ہوشیاری کی ضرورت ہے جو شخص امر بالمعروف میں سیاست سے کام نہ لے اس کو امر بالمعروف جائز نہیں ۱۲ اشرف علی۔

توفیق نہ ہوئی اور گو اس میں میری بھی خطا تھی مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس کا وبال ان واعظ صاحب پر زیادہ پڑیگا کیونکہ انکی سختی ہی نے مجھے اس کلمہ پر مجبور کیا۔

تو ناصح کو ایسی سختی نہ چاہئے کیونکہ شریعت کا حق ہر مسلمان پر ہے تنہا ہمارے ہی ذمہ نہیں پس ہم کو ایک دو دفعہ نرمی سے نصیحت کر دینا چاہئے اب اگر مخاطب عمل نہ کرے تو پیچھے پڑنے کی ہم کو کیا ضرورت ہے مگر ایسی مداہنت بھی نہ کرے کہ رئیسوں کو شطرنج کی اجازت دیدے کہ امام شافعیؒ(۱) کے مذہب میں جائز ہے کھیلو! جیسا بعض واعظ ایسا بھی کرتے ہیں۔

امر بالمعروف کا معیار

بس معیار یہ ہے کہ جو شخص اپنی مصلحت کے لئے امر بالمعروف میں مداہنت کرے وہ تو راہزن ہے اور جو دوسرے کی مصلحت سے کرے وہ عین محقق ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم محقق کی مداہنت کو سنکر اپنے جی میں خوش ہو جاؤ کہ ہمارے واسطے محققین نے گنجائش نکال دی ہے بلکہ تم کو محقق سے اپنا حال عرض کرنا چاہئے اس کے بعد اگر وہ تمہاری ترکِ جماعت کو علاجاً گوارا کرتا اور ترک جماعت کی وعید بھی سنادے تو تارک جماعت رہو اور اپنے کو گنہگار بھی سمجھو اور اس گناہ سے توبہ بھی کرتے رہو اور خود تارک جماعت بنو گے تو اپنے کو خواہ مخواہ معذور بے گناہ سمجھ کر گناہ کرو گے اور یہ حالت اشد ہے اور اگر تم کو کوئی واقعی عذر ہوگا تو محقق اس کے ازالہ کا ایسا طریقہ بھی بتادیگا جو خود تمہاری سمجھ میں نہ آسکتا تھا۔

بہرحال جماعت کا رسول اللہ ﷺ نے بہت اہتمام فرمایا ہے اور اس کے

(۱) امام شافعیؒ کے نزدیک بھی کراہت سے خالی نہیں (کما یظھر من الجوھر النقی: ۲/۲۵۳) اور اگر غفلت عن الصلوٰۃ کی طرف مفضی ہو تو بالاتفاق حرام ہے ۱۲ ظ۔

ترک پر سخت وعید وارد ہوئی ہے مسلمانوں کو اس کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔

افسوسناک حالت

افسوس یہ ہے کہ بعض لوگوں کے گھر سے ملی ہوئی مسجد ہے پھر بھی ان کو جماعت کی توفیق نہیں ہوتی۔ مکہ معظّمہ میں سوق حرّاج میں ایک بڈھا بدوی گاؤں کی چیزیں لاکر بیچتا تھا ساری عمر اسی بازار میں آتے جاتے گذر گئی تھی مگر حج کی توفیق نہ ہوئی ایک دفعہ وہ تعجب سے پوچھنے لگا کہ بعض موسموں میں لاکھوں آدمی یہاں کیوں جمع ہوجاتے ہیں اس کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ لوگ حج کے واسطے مکہ آتے ہیں ایک رئیس کو بڈھے کی بات پر بہت تعجب ہوا کہ مکہ میں ساری عمر گذر گئی اور آج تک اس کو حج کی توفیق نہیں ہوئی' ایک مولوی صاحب نے کہا حضور تعجب کی کیا بات ہے یہ تو ایسا ہے جیسے آپ کے گھر کے پاس مسجد ہے اور آپ آج تک مسجد میں نہیں آئے(۱) یہ جواب سن کر ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

تعدیلِ ارکان کی اہمیت

غرض جیسے ترکِ صلوٰۃ مذموم ہے اسی طرح ترکِ جماعت بھی مذموم ہے البتہ عورتوں کی جماعت یہی ہے کہ وہ اپنی نماز کو سنبھال کر ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں ان کے واسطے یہی جماعت ہے کیونکہ مرد کو جو ثواب جماعت میں ملتا ہے وہ عورتوں کو تنہا پڑھنے سے مل جاتا ہے اسی طرح نماز کو سنبھال سنبھال کر پڑھنا چاہئے' بعض ائمہ کے نزدیک تو تعجیل فی الصلوٰۃ(۲) سے نماز فاسد ہی ہوجاتی ہے کیونکہ ان کے یہاں تعدیلِ ارکان واطمینان فرض ہے مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ صحیح ہوجاتی ہے مگر ایسی صحیح ہوتی ہے جیسے لنجا لنگڑا آدمی بھی آدمی کہلاتا ہے پس

(۱) یہ رئیس تارکِ جماعت تھے ۱۲ ظ (۲) جلدی جلدی نماز پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

جلدی کی نماز نماز تو ہے مگر لنگڑی لنجی نماز ہے تو کیا خدا کے سامنے ایسی نماز پیش کر کے آپ کا جی خوش ہوسکتا ہے؟ البتہ بچوں اور کمزوروں پر آسانی کرنا چاہئے وہ اگر جلدی جلدی نماز پڑھیں تو ان پر سختی نہ کرو مولانا فرماتے ہیں ؎

چار پارا قدر طاقت بارنہ برضعیفاں قدر ہمت کار نہ (۱)

اپنے کو کسی محقق کے تابع کرو

مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ضعفاء خود اپنے واسطے کچھ تجویز نہ کریں کسی محقق سے تجویز کرادیں اور یہ ہر امر میں ضروری ہے اور میں کس طرح اس کی ضرورت کو آپ کے دل میں ڈال دوں واللہ مجھے اس کے لئے الفاظ بھی نہیں ملتے مگر الفاظ کے سوا میرے پاس کیا ہے۔ بس پھر یہی کہتا ہوں کہ دوسرے کے حوالہ اپنے کو کردو اس کی بہت ضرورت ہے اور اس میں سہولت بھی ہے کہ سارا بوجھ دوسرے کے اوپر ہے تم آزاد ہو جہاں کوئی اشکال پیش آیا اس سے کہہ دیا جو اس نے بتلایا اس پر عمل کرلیا مگر شرط یہ ہے کہ وہ شخص محقق اور شفیق ہو جو زبان حال سے یوں کہتا ہو ؎

من غم تو می خورم تو غم مخور برتو من مشفق ترم از صد پدر (۲)

جس کو ایسا رہبر مل جائے اس کی سعادت و راحت کا کیا پوچھنا۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے حتی کہ اگر وہ کسی سوال کے جواب میں یوں کہہ دے کہ خود سوچ کر جو مناسب سمجھو کرلو تو اس صورت میں اس کی بات مانو اور خود سوچ کر کام کرو یہ نہیں کہ ہر بات کے جواب پر اس کو مجبور کرو۔ چنانچہ بعض لوگ شیخ کو تنگ کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور میں نے وعظ

(۱) جانوروں پر انکی طاقت کے لحاظ سے بوجھ لادو اور کمزوروں پر ان کی برداشت کے مطابق کام ڈالو (۲) تو غم نہ کر مجھے تیرا بے حد خیال ہے میں تجھ پر سو باپوں سے بھی زیادہ مشفق ہوں۔

میں سنا تھا کہ ہر کام شیخ سے پوچھ کر کرو اس لئے میں پوچھتا ہوں کہ بیٹی کا رشتہ کہاں کروں۔ چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ میں بانوں کی تجارت کروں یا دواؤں کی۔ میں نے لکھ دیا کہ نہ میرا باپ کھٹ بنا(۱) تھا نہ عطار، میں کیا جانوں کہ کس کی تجارت اچھی ہے کس کی بُری۔ تو ہر کام کے پوچھنے کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کی تجارت و زراعت وغیرہ میں ان سے مشورہ لیا کرو۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان سے مسائل شرعیہ پوچھو! کہ یہ تجارت جائز ہے یا نہیں یا دعا کی درخواست کرو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں۔

فسادِ عقائد

غرض ہماری حالت حدود کے اندر نہیں یا تو افراط ہے یا تفریط ہے اگر علماء سے استغناء ہے تو ایسا کہ مسائل احکام میں بھی ان سے مراجعت کی ضرورت نہیں سمجھتے خود جو سمجھ میں آیا کر لیا اور اگر احتیاج ہے تو ایسی کہ شادی کی تاریخ بھی انہی سے دریافت کر کے مقرر کرتے ہیں جیسے ہندو برہمنوں سے پوچھ کر تاریخ معین کرتے ہیں چنانچہ بعض لوگ مجھ سے بھی ایسے سوال کرتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ اپنی زبان سے ایک وقت بتلا دو۔ میں ان کو اپنی زبان سے کچھ نہیں بتلاتا کیونکہ اس میں فساد عقیدہ ہے یہ لوگ علماء یا اہل اللہ سے ایسی باتیں اس لئے پوچھتے ہیں کہ وہ انکو کارخانہ خداوندی میں دخیل سمجھتے ہیں خیر عورتوں کا فساد عقیدہ تو عجیب نہیں وہ تو ناقصات العقل (۲) ہیں ہی مگر آجکل تو لکھے پڑھے خوش عقیدہ لوگ بھی بزرگوں کے بارے میں فساد عقیدہ میں مبتلا ہیں۔

چنانچہ الہ آباد کے ایک رئیس کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا وہ میرے پاس

(۱) چارپائی بنانے والا (۲) ان میں تو عقل کی کمی ہے۔

اسکو زندہ کرانے آئے تھے۔ میں نے ان کو بہت کچھ سمجھایا مگر ان کا فساد عقیدہ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ اپنے بھائی سے کہا کہ یہ زندہ تو کر سکتے ہیں مگر کسی مصلحت کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

اے صاحبو! اہل اللہ زندہ تو کیا کر سکتے وہ تو واللہ آپ کے معاملات میں دعا کرتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کیونکہ آپ نے یہ درخواست کی کہ میں وکالت کا امتحان دینا چاہتا ہوں پاس ہونے کی دعا کیجئے تو ان کو اس کے لئے دعا کرتے ہوئے اندیشہ ہوتا ہے کہ نہ معلوم یہ وکالت سے کن کن حرام کاموں میں مبتلا ہوگا پھر وہ اس طرح دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اگر اس کے واسطے وکالت بہتر ہو تو پاس کر دیجئے بہرحال اہل اللہ سے دعا کی درخواست کا تو مضائقہ نہیں اور اگر کسی کام کے متعلق وہ یہ کہہ دیں کہ خود سوچو تو پھر خود سوچنا چاہئے اس میں یہ بھی آسانی ہے کہ تم آزاد و بے فکر رہو گے اور اگر وہ ہر کام میں ایک شق متعین کر دیا کریں تو بعض دفعہ تم کو تنگی پیش آئیگی کیونکہ ممکن ہے تم کو دوسری شق میں مصالح نظر آتے ہوں۔ اور اہل اللہ کے لئے صاحب کشف ہونا ضروری نہیں کہ ہر معاملہ میں اسی شق کو ترجیح دیں جو خیر ہو۔ اور صاحب کشف ہوں بھی تو ہر وقت کشف ہونا لازم نہیں یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ تم اپنی رائے سے اپنے کو ترکِ جماعت وغیرہ میں معذور قرار نہ دو بلکہ اپنے کو کسی محقق کے حوالہ کرو اور اس کی رائے پر عمل کرو بہرحال نماز اور جماعت کا بہت اہتمام کرنا چاہئے اور اس میں کچھ دشواری نہیں کیونکہ شریعت نے نماز اور جماعت میں آسانی کی بہت تدبیریں کی ہیں جو محقق کامل سے دریافت کرنے پر معلوم ہو سکتی ہیں۔

---

(۱) ان میں تو عقل کی کمی ہے۔

بعض ائمہ مساجد کی کوتاہی

مثلاً امام کو امر ہے کہ قراءت میں تخفیف کرے مقتدیوں پر بوجھ نہ ڈالے۔ بعض ائمہ اس کی رعایت نہیں کرتے' کانپور میں ایک بزرگ آئے گرمی کا دن تھا نماز جمعہ کا وقت تھا آدمی بہت تھے بعضے شامیانہ سے بھی باہر تھے دھوپ سخت تھی امام مسجد نے نماز پڑھانے کے لئے ان بزرگ کو بڑھادیا۔ انہوں نے اول تو خطبہ بہت لمبا پڑھا حالانکہ تطویل خطبہ خلافِ سنت ہے خطبہ میں اختصار ہی سنت ہے مگر شیخ بن جانا آسان ہے اتباع سنت دشوار ہے پھر ان حضرت نے یہ فرمایا کہ یہ وہ خطبہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر پڑھا تھا سبحان اللہ! حضور ﷺ کا پڑھنا تو ایسا تھا کہ آپ سارا قرآن بھی پڑھتے تو مثل سورۂ فاتحہ کے معلوم ہوتا کیونکہ آپ کی قراءت میں لطف ہی عجیب تھا جس کی وجہ سے سامعین پر ذرا گرانی نہ ہوتی تھی۔ (۱)

پھر نماز میں اتنی تطویل کی کہ بعض لوگ بے ہوش ہوگئے بعض کو استفراغ (۲) ہوگیا امام کو ایسی تطویل جائز نہیں مگر آجکل ائمہ کو اس کی مطلق پروا نہیں بلکہ غضب یہ ہے کہ تطویل کو مستحسن سمجھتے ہیں چنانچہ رڑکی میں ایک امام نے لمبی نماز پڑھائی جب لوگوں نے دھوپ کی شکایت کی تو جواب میں کہا کہ ارے کمبختو! تم دوزخ میں کیسے رہوگے جو ذرا سی دھوپ سے گھبرا گئے' لوگوں نے کہا کمبخت جہنم میں تو ہی رہے گا ہم کیوں جہنم میں رہتے جو تم ہمیں جہنم میں رہنے کا اس طرح عادی بناتا ہے۔ اور یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ لوگ دین میں اپنی رائے سے

(۱) پھر باوجود اِس کے حضور ﷺ سے جمعہ کے خطبہ میں تطویل منقول نہیں ہاں جمعہ کے علاوہ بھی بعض اوقات میں آپ کسی ضرورت سے خطبہ فرماتے تھے اس میں تطویل ممکن ہے تو شاید یہ خطبہ بھی ایسا ہی ہوگا جس کو ان بزرگ نے نماز جمعہ کے وقت پڑھ دیا ۱۲ (۲) اتنی لمبی نماز پڑھائی کہ بعض لوگ بے ہوش ہوگئے بعض لوگوں کا پیشاب نکل گیا۔

عمل کرتے ہیں کسی محقق کے حوالہ اپنے کو نہیں کرتے بس ان لوگوں نے یہ دیکھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض دفعہ لمبا خطبہ بھی پڑھا ہے اور یہ دیکھ لیا کہ آپ نے بعض دفعہ سورۂ قٓ اور سورۂ قمر کی قراءت فرمائی ہے اب لگے لمبا خطبہ اور لمبی قراءت کرنے اگر کسی محقق سے پوچھتے تو وہ ان سب کا محمل بتلاتا۔ آج کل ہماری حالت یہ ہے کہ یا تو شریعت کی مطلق پرواہ نہیں کہ نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے اور اگر پرواہ اور اہتمام ہے تو اس میں ایسا غلو ہے کہ مقتدیوں کی حالت کی ذرا مراعات نہیں ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

مولانا رومیؒ اسی کی فرماتے ہیں ؎

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی چوں کہ خوردی تندو بدرگ می شوی(۱)

احکامِ دین میں رائے کا اعتبار نہیں

صاحبو! اگر تم اپنی رائے سے دین پر چل سکتے ہو تو پھر اہل اللہ کس مرض کی دوا ہیں اور اگر تم کو کتابیں دیکھ کر اطباء روحانی سے استغناء ہوسکتا ہے تو اطباء جسمانی سے استغناء کیوں نہیں ہوا کیونکہ یہاں بھی تو کتابیں اور قرابادین موجود ہیں بس کتاب دیکھ کر علاج کرلیا کرو۔ یاد رکھو! کتابوں سے کام نہیں چل سکتا کیونکہ طبیب کتابی نسخوں میں اجتہاد کرتا ہے کتر بیونت کرتا ہے وہ یہ دیکھتا ہے کہ کس کے لئے کونسی دوا اور کونسا نسخہ موافق ہے اور وزن کتنا ہونا چاہئے اسی طرح دین کے راستہ

(۱) جب بھوکا ہوتا ہے کتے کی طرح بھونکتا ہے اور جب پیٹ بھر جاتا ہے تو سختی و کمینگی ظاہر کرنے لگتا ہے۔

میں بھی طبیب کامل امور اختیاریہ میں کتر بیونت کرتا ہے اور اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ یہ کتر بیونت اصول و مقاصد میں نہیں ہوتی بلکہ طریقہ و تدبیر میں ہوتی ہے یہ میں نے اس لئے کہہ دیا کہ آجکل بعض لوگ علماء سے اصول و مقاصد میں کتر بیونت کی درخواست کرتے ہیں کہ ذرا سا سود جائز کردو ذرا سی رشوت جائز کردو' یہ سوال حماقت کا سوال ہے کیونکہ اصول و مقاصد میں کسی کی رائے کو دخل نہیں ہوسکتا۔

جاہلانہ اجتہادات

اور بعضے علماء سے بھی درخواست نہیں کرتے بلکہ خود ہی کتر بیونت شروع کردیتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے یہ غضب کیا کہ سود کی حلت پر ایک رسالہ لکھ مارا اور اس میں لکھا کہ سود حرام نہیں اور ﴿حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ میں لفظ رِبا بالکسر نہیں بلکہ رُبا بالضم ہے جو ربودن سے ماخوذ ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غصب کو حرام کیا ہے کسی کا مال جبراً نہ چھینو۔ اُس سے کوئی پوچھے کہ جو رُبا ربودن (۱) سے ماخوذ ہوگا وہ عربی لفظ ہوگا یا فارسی ظالم نے قرآن کو فارسی کا قرآن بنادیا مگر غنیمت ہے کہ اس نے ایسی تحریف کی جس کی غلطی پر ہر مسلمان مطلع ہوسکتا ہے (۲) ایک طالب علم نے یہ غضب کیا کہ زمانہ امتحان میں دن کی نماز میں قصر کیا اور وجہ یہ بیان کی کہ مجھے فیل ہونے کا خوف تھا اور خوف کی حالت میں قصر جائز ہے کیونکہ قرآن میں ہے ﴿فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ﴾ (۳) دوسرے طالب علم نے جواب دیا کہ اول تو

(۱) لے بھاگنا (۲) ''اور بعضے ایسا دھوکا دیتے ہیں کہ جس سے عوام گمراہ ہوجاتی ہے چنانچہ آجکل حیدر آباد کے محکمہ شرعیہ سے ایک رسالہ عربی زبان میں حلت سود کے متعلق شائع ہوا ہے جس میں ایسے دھوکے دیے گئے ہیں جن سے ناقص العلم مولوی بھی مغالطہ میں پڑجائیں' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے عربی دانوں کے فتنہ سے محفوظ رکھے ۱۲ ظ' الحمدللہ اس کا رد بھی مسمی '' کشف الدجی'' شائع ہوگیا ہے ۱۲ش (۳) مکمل آیت کا ترجمہ یہ ہے ''اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کردو اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کرینگے بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں'' سورۂ نساء:۱۰۱۔

یہاں مطلق خوف مراد نہیں چنانچہ ظاہر ہے دوسرے یہ حکم مشروط بشرطین ہے ایک شرط تو یہ ہے جو بعد میں مذکور ہے اور ایک شرط ﴿ فَلَا جُنَاحَ ﴾ سے پہلے مذکور ہے ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ ﴾ اور جو حکم مشروط بشرطین ہو اس کا ثبوت ایک شرط کے تحقق سے نہیں ہوسکتا کہا واقعی مجھ سے غلطی ہوئی میں ان نمازوں کی قضا کرونگا۔

یہ تو بہت غنیمت تھی مگر ایک صاحب ان سے بھی بڑھ کر تھے ہمیشہ قصر کرتے تھے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے تھے ((کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ)) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''دنیا میں مسافروں کی طرح رہو''۔ کوئی اس سے پوچھے کہ حضور نے یہی تو فرمایا کہ مسافروں کی طرح رہو یہ تو نہیں فرمایا کہ بالکل مسافر ہوجاؤ کہ قصر بھی کرنے لگو دوسرے تم نے اس حدیث پر صرف قصرِ صلوٰۃ کے ہی بارے میں عمل کیا اور باتوں میں بھی مسافروں کی طرح کیوں نہ بنے کہ نہ روپیہ زیادہ جمع کرتے نہ جائیداد نہ مکان بناتے نہ گھر میں زیادہ سامان رکھتے پہلے اپنی حالت پوری طرح مسافروں کیسی بنائی ہوتی اس کے بعد ہی نماز پر ہاتھ صاف کیا ہوتا مگر سب سے پہلے لوگ دین پر ہاتھ صاف کرتے ہیں دنیا میں کمی نہیں کرتے یہ کیسا حدیث پر عمل ہے آج کل سارے مفسّر ایسے ہی ہیں کہ قرآن سے دنیا کے مطالب نکالتے ہیں کوئی قرآن سے سوراج ثابت کرتا ہے کوئی پریڈ کا ثبوت دیتا ہے کوئی قومی جلسوں کی دلیل نکالتا ہے واہیات۔

مفسّرِ قرآن کے لئے چودہ علوم کا ماہر ہونا ضروری ہے

صاحبِ کشّاف نے لکھا ہے کہ تفسیر کے لئے چودہ علوم میں مہارت کی ضرورت ہے جو شخص ان علوم میں ماہر نہ ہو اس کو مفسّر بننا جائز نہیں کیونکہ وہ تفسیر بالرائے میں مبتلا ہوگا۔

آج کل کی آزادی

آجکل تو غضب یہ ہے کہ کفار تک قرآن کی تفسیر کا دعوی کرتے ہیں چنانچہ رامپور میں ایک انگریز کہہ رہا تھا کہ اس (قرآن) میں ہے کہ طاعون لگتا ہے کیونکہ قرآن میں آیا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں مت جاؤ اور جو پہلے سے طاعون کی جگہ ہو وہاں سے باہر نہ جائے یہ حکم اسی لئے تو ہے کہ باہر سے طاعون کی جگہ آؤ گے تو تم کو طاعون لگ جائیگا اور تم طاعون کی جگہ سے باہر جاؤ گے تو دوسروں کو طاعون لگ جائیگا' سبحان اللہ! اول تو یہ مضمون قرآن میں نہیں بلکہ حدیث میں ہے پھر حدیث کا مضمون بھی جس قدر ہے اس میں یہ کہاں ہے کہ اس حکم کی علت طاعون لگنا ہے ممکن ہے کوئی دوسری علت ہو جیسے حفظ اعتقاد وغیرہ جو علماء نے بیان کی ہے مگر آجکل آزادی کا یہ عالم ہے کہ کفار بھی احکام شرعیہ کی علتیں خود گھڑتے ہیں حالانکہ وہ قرآن کو صحیح پڑھنے پر بھی قادر نہیں مطلب سمجھنا تو بہت دور ہے۔

چنانچہ میرے بھائی ریل میں سفر کر رہے تھے ان کے درجہ میں ایک انگریز بھی تھا بھائی کے ہاتھ میں ٹائپ کا چھپا ہوا قرآن تھا وہ انگریز کہنے لگا کہ میں اس کو دیکھ سکتا ہوں بھائی نے کہا ہاں رومال میں لے کر دیکھ سکتے ہیں اس نے رومال میں لے کر قرآن کو دیکھا تو سرورق پر ﴿ الٓرٰ ﴾ لکھا تھا صاحب بہادر فرماتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ آلو بھائی نے حمائل اس کے ہاتھ سے لے لی اور کہا آپ اس کو پڑھ نہیں سکتے۔

اس لیاقت پر ان لوگوں کو یہ دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے قرآن و حدیث کے احکام کی علتیں بیان کرتے ہیں خیر یہ تو ایک انگریز کی حکایت ہے افسوس تو یہ ہے کہ بعضے انگریزی خواں طالب علم باوجود مسلمان ہونے کے قرآن نہیں پڑھ سکتے وہ قرآن کے ہجّے کرنے سے بھی عاجز ہیں یہ مسلمانوں کے بچے

ہیں مجھے تو ایسے لوگوں کے نکاح میں بھی شک رہتا ہے کیونکہ انگریز خواں طلباء کے عقائد میں بھی بہت گڑ بڑ ہے اعمال کا تو پوچھنا ہی کیا۔ صاحبو! خدا کے لئے نکاح کے وقت اتنا تو کم از کم دیکھ لیا کرو کہ لڑکا مسلمان بھی ہے یا نہیں۔

صبر کی حقیقت

یہاں تک تو نماز کے متعلق بیان تھا۔ اب میں صبر کا بیان کرنا چاہتا ہوں سو یہ تو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ صبر کے معنی ''ضبط نفس'' کے ہیں یعنی نفس کی خواہش کو دبانا اور اس کو ثابت قدم رکھنا یہ وصف بھی ہمارے اندر آجکل بہت کم ہے۔ اور اس تعریف سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ صبر کے معنی صرف یہی نہیں کہ کسی کے مرنے پر صبر کرلیا جائے چونکہ یہ موقع سخت ہے اس لئے عرف میں اسی موقع پر ضبط نفس کا نام صبر ہو گیا۔

نامناسب اندازِ تعزیت

اور اس میں کچھ شدت تو واقعی ہے دوسرے وہ اس لئے بھی اشد ہو گیا کہ لوگ اس موقع پر خود بھی غم کو بڑھاتے ہیں کہ بار بار اس کا تذکرہ کرتے اور سوچتے ہیں اور تعزیت کرنے والے بھی بار بار اسی کا تذکرہ کرتے ہیں آج کل کی تعزیت تعزیت نہیں بلکہ تعذیب(۱) ہے کہ تکلیف کو بڑھاتے ہیں صبر کے معنی تسلی کرنے کے ہیں مگر آجکل تسلی نہیں دی جاتی بلکہ غم کو بڑھایا جاتا ہے تعزیت تو یہ ہے جو ایک اعرابی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وفات کے موقع پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی تھی آجکل اگر کوئی ایسا مضمون بیان کرے تو لوگ کہیں گے لیجئے یہ تسلی دینے آئے تھے ڈھیلا سا مار گئے۔

آجکل تو تعزیت اس کو کہتے ہیں کہ بیٹھتے ہی رونے لگو یا رونے کی صورت

(۱) باعث تکلیف ہے۔

بنالو اور یوں کہو کہ یہ خبر سن کر بہت ہی غم اور صدمہ ہوا تمہارے دل پر کیا گذری ہوگی ہائے کیسا گھر برباد ہوگیا' جس سے غمزدہ کا دل اور پاش پاش ہوجاتا ہے' خصوصاً عورتوں کے کلمات تو ایسے زہر آلود ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق تو میں فتویٰ دیتا ہوں کہ غم کے وقت ان کے کلمات سننا جائز نہیں مجھے تو ایک مرتبہ عورتوں کے کلمات تعزیت سن کر اختلاجِ قلب ہوگیا تھا جس کی مضرت (۱) دور تک پہنچ گئی تھی ان کا سننا صحتِ جسم اور صحتِ دین دونوں کے لئے مضر ہے۔

بہترین تعزیت

اب اس اعرابی کا مضمون سنئے کہتا ہے ؎

اِصْبِرْ فَكُنْ بِكَ صَابِرِيْنَ فَاِنَّمَا صَبْرُ الرَّعِيَّةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّأْسِ

''اے عبداللہ بن عباس! صبر کیجئے تا کہ آپ کو دیکھ کر ہم بھی صبر کا سبق سیکھیں کیونکہ آپ مقتداء ہیں اور مقتداء کے صبر سے ہی رعیت کو صبر کا سبق حاصل ہوتا ہے''۔ اگر مقتداء بے صبر بن جائے تو رعیت کیونکر صابر ہوگی' سبحان اللہ! کیسی عجیب تعلیم ہے جس کو سن کر مقتداء پوری طرح صبر کے لئے آمادہ ہوجائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو تو اپنے علم کی وجہ سے صبر کرنا چاہئے اگر یہ نہ ہو تو کم از کم ہمارے ہی خیال سے صبر کیجئے آگے کہتا ہے ؎

خَيْرٌ مِّنَ الْعَبَّاسِ اَجْرُكَ بَعْدَهٗ وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِّنْكَ لِلْعَبَّاسِ

''حضرت عباس کے انتقال سے جو آپ کو غم ہوا اور اس پر اجر ملا وہ اجر آپ کے حق میں حضرت عباس سے بدرجہا بہتر ہے'' عباس کو لیکر کیا کروگے وہ تو دنیا ہی میں کام آتے اور ثواب تو جنت تک آپ کو پہنچادیگا۔ اور حضرت عباس کے لئے خدا

(۲) جس کا نقصان۔

تعالیٰ آپ سے بہتر ہیں وہ آپ سے جدا ہوکر خدا کے پاس پہنچ گئے پھر کاہے کا غم کہ نہ آپ کا نقصان ہوا نہ ان کا بلکہ دونوں کا نفع ہی ہوگیا یہ ایسا مضمون ہے جو آجکل کے عرف میں تعزیت کا مضمون شمار نہیں ہوتا مگر حقیقت میں تعزیت یہی ہے چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے کسی کی تعزیت سے اتنا نفع نہیں ہوا جتنا اس اعرابی کی تعزیت سے ہوا۔

حضرت تھانویؒ کا اندازِ تعزیت

بعض جگہ جہاں بے تکلفی ہوتی ہے میں بھی یہی بات کہ دیتا ہوں کہ میاں کس غم میں پڑے انسان کو خدا تعالیٰ نے عقل اور دین اسی موقع کے واسطے عطا فرمایا ہے عقل سے کام لو اور دین کی باتوں میں غور کرو تو یہ بات کچھ زیادہ غم کی نہیں کیونکہ مرنے کی حقیقت یہ ہے جیسے کوئی پردیس سے وطن پہنچ جائے تو مرنے والا تو اصلی وطن میں پہنچ گیا اس پر کیا رنج ہاں ہم پردیس میں رہ گئے ہیں ہم کو اس کی فکر چاہئے کہ خیریت سے ہم بھی اپنے وطن میں پہنچ جائیں۔ بس اب صرف مفارقت کا صدمہ رہ گیا سو وہ بھی چند روزہ ہے ایک دن ہم بھی وہیں جانے والے ہیں جہاں وہ گیا۔

غم کی قسمیں

ایک بات میں لاکھوں کی بتلاتا ہوں وہ یہ کہ طبعی غم اور ہے کسبی غم اور ہے طبعی غم کی مدت بہت کم ہے وہ تو خود بخود بہت جلد زائل ہوجاتا ہے ہاں کسبی غم جو خود سوچ سوچ کر پیدا کیا جاتا اور تذکرہ کرکر کے بڑھایا جاتا ہے وہ البتہ اشد ہے مگر اس کا حدوث و بقا(۱) اختیاری ہے سوچنا موقوف کرو تذکرہ نہ کرو تو کسبی غم پاس بھی نہ آئیگا۔ رہا طبعی غم وہ البتہ غیر اختیاری ہے مگر وہ نہ تحمل سے باہر ہے نہ اس کی مدت زیادہ ہے۔

(۱) مگر اس کو ختم کرنا یا باقی رکھنا فعل اختیاری ہے۔

غم کی حکمت

پھر اس کی حکمت میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ نے یہ غم بھی محض رحمت کی وجہ سے دیا ہے کہ وہ ایک دولت ہم کو عطا فرمانا چاہتے ہیں جب وہ حکمت حاصل ہوجاتی ہے تو خود ہی اس کو دور بھی کردیتے ہیں ۔

دردازیارست ودرماں نیز ہم دل فدائے اوشد وجاں نیز ہم (۱)

اللہ تعالیٰ تم کو غم دینا نہیں چاہتے بلکہ ایک دولت دینا چاہتے ہیں جس کا آلہ غم کو بنایا گیا ہے پھر چونکہ غم مقصود نہیں اس لئے اس کو جلدی ہی زائل کردیتے ہیں بشرطیکہ تم خود اس کو نہ پالو اور بڑھانے کی کوشش نہ کرو غم کی حکمت یہ ہے کہ انسان متمدن ہے اور تمدُّن موقوف ہے ہمدردی پر اور ہمدردی موقوف ہے رقّتِ قلب (۲) پر پس رقّتِ کو تازہ کرنے کے لئے بعض دفعہ اسباب رقّتِ یعنی غم وغیرہ نازل ہوتے ہیں اگر اس کی تجدید نہ کی جائے تو یہ قوت بالکل معطل (۳) ہوجاتی چنانچہ اطباء نے تصریح کی ہے کہ جس قوت سے کام نہ لیا جائے وہ بے کار ہوجاتی ہے ذبح حیوانات میں بھی میرے نزدیک یہی حکمت ہے جس کو میں سمجھا ہوں کہ یہ بھی رقت بڑھانے کے واسطے ہے لوگ کہتے ہیں کہ ذبح سے قساوت بڑھتی ہے مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مسلمان کامل سے زیادہ رحم دل کوئی نہیں ہوسکتا اور قصائی جو سخت دل ہوتے ہیں وہ اس لئے کہ وہ اپنے پیشہ کی غرض کے لئے ذبح کرتے ہیں اگر ان کی غرض پیشہ کی درمیان میں نہ ہو تو ان سے زیادہ رحمدل کوئی نہ ہوتا۔

بہرحال غم کی حکمت یہ ہے کہ اس سے قلب کی رقت اور صفت رحمت تازہ

---

(۱) درد بھی محبوب کی طرف سے ہے علاج بھی اس کے پاس ہے دل و جان دونوں اس پر فدا ہیں (۲) دل کی نرمی پر (۳) اگر بار بار تم کو غم نہ دیا جائے تو انسان کے دل میں نرمی کی بجائے سختی پیدا ہوجائے۔

ہوتی ہے اور یہ بڑی دولت ہے جو دین میں بھی کارآمد ہے اور دنیا میں بھی چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جس شخص پر اسباب غم وارد نہ ہوئے ہوں اس کو دوسروں کی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا نہ اس کو دوسروں کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے یہ راز ہے طبعی غم میں مگر اُس کی مدت تھوڑی ہے۔

مدتِ تعزیت

تعزیت کے لئے میعاد شریعت نے تین دن مقرر فرمائی ہے اسی لئے تین دن کے بعد اہل بلد (۱) کو تعزیت جائز نہیں کیونکہ غم تو ہلکا ہوگیا اب تعزیت کرنا نشتر مار کر مرہم پٹی کرنا ہے جیسے ایک سرحدی چوروں کے ہاتھ سے زخمی ہوگیا تھا کسی ہندوستانی نے اس کی بڑی خدمت کی یہاں تک کہ اچھا ہوگیا تو سرحدی نے کہا اگر تم کبھی ہمارے وطن آؤ تو ہم تمہارے احسان کا بدلہ دیں گے اتفاق سے یہ سرحد کی طرف گیا اور اس کا مہمان ہوا اور منتظر رہا کہ دیکھئے میرے احسان کا کیا بدلہ دیتا ہے اس کی بیوی کو جو معلوم ہوا کہ یہ مہمان وہ ہندوستانی ہے جس نے شوہر کی خدمت کی تھی تو اس نے اس سے کہا کہ اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ کیونکہ میرا خاوند تمہارا تذکرہ کیا کرتا تھا کہ ایک ہندوستانی نے ہمارے ساتھ بڑا احسان کیا ہے کہ ہم زخمی تھے ہم کو اچھا کیا اگر وہ یہاں آجائے تو ہم بھی اس کو زخمی کر کے خدمت اور مرہم پٹی سے اچھا کریں گے وہ یہ سن کر بھاگا۔ اور احسان کے بدلہ سے باز آیا۔

تو جو لوگ تین دن کے بعد تعزیت کرتے ہیں۔ وہ بھی تندرست دل کو زخمی کر کے مرہم پٹی کرتے ہیں البتہ باہر سے آنے والوں کو تین کے بعد بھی تعزیت جائز ہے کیونکہ صاحب واقعہ اس کی تعزیت کو ضرورت پر محمول کریگا۔ اس لئے اس

---

(۱) شہر والوں کو۔

سے اس کے دل پر نشتر نہ لگے گا۔ بلکہ اگر یہ غریب تعزیت نہ کرے بلکہ خاموش بیٹھا رہے تو صاحب واقعہ کو اس کی شکایت پیدا ہوگی کہ میرے غم کے متعلق ایک لفظ بھی ہمدردی کا نہ کہا پھر اس کے آنے سے کیا فائدہ ہوا نیز آنے والے کا دل بھی سکوت سے منقبض ہوتا ہے اس کا دل تقاضا کرتا ہے کہ دو چار کلمے تسلی کے ضرور کہے شریعتِ مقدسہ کی پاکیزگی ملاحظہ کیجئے کہ باہر سے آنے والوں کو تین دن کے بعد بھی تعزیت کی اجازت دیدی تاکہ طرفین کے جذبات کی رعایت ہوجائے مگر اہل بلد کے لئے میعاد مقرر ہے۔

تعزیت کے بارے میں حکایت

مجھے ایک جنٹلمین کی حکایت بہت پسند آئی جو عقل وانتظام میں مشہور تھے کہ انکے والد کا انتقال ہوا تو انہوں نے اس کے لئے بھی ایک مِسل مقرر کرکے جو شخص زبانی یا تحریری تعزیت کرتا اس کا قول اور اپنا جواب مِسل میں درج کردیتے اور اس کے لئے ایک میعاد مقرر کردی تھی جب وہ میعاد گذر گئی مِسل داخل دفتر کردی گئی۔ اس کے بعد جو شخص آتا اور کچھ کہنا چاہتا آپ اس سے پہلے ہی پوچھ لیتے کہ کیا آپ میرے والد ماجد صاحب کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں اگر وہ کہتا جی ہاں تو کہہ دیتے کہ تعزیت کی مِسل داخل دفتر ہوچکی ہے کیونکہ میعاد گذر گئی اس لئے اب اس کے متعلق میں سننا نہیں چاہتا دوسری باتیں کیجئے۔

میرا اس حکایت سے یہ مقصود نہیں کہ آپ بھی مِسل مقرر کیا کریں یہ تو ان کا غلو فی الانتظام تھا(۱) بلکہ مجھے صرف یہ بتلانا ہے کہ تعزیت میعاد کے قابل ضرور ہے عقل بھی اس کے لئے تعیین میعاد کی مقتضی ہے۔

(۱) انتظام میں حد سے تجاوز تھا۔

تعزیت کے لئے تین دن مقرر ہونے کی وجہ

چنانچہ شریعت نے اس کے لئے تین دن مقرر کئے ہیں تین کے عدد میں ایک خاص خاصیت ہے۔ اسی لئے مسح خفین (۱) اور سفر (۲) و ہجراں مسلم (۳) وغیرہ کے لئے تین دن کی حد مقرر ہے اور تجربہ بھی ہے کہ تین دن کے بعد غم ہلکا ہو جاتا ہے۔

غم ہلکا کرنے کی تدبیر

بعض لوگ شاید اس پر یہ کہیں کہ جس کے دل کو لگتی ہے اس کو تو پھر بھی خیال آتا ہے میں اس کو مانتا ہوں مگر یہ ضرور کہوں گا کہ تین دن کے بعد وہ حال نہ ہوگا جو ابتدا میں تھا۔ دوسرے یہ کہ قاعدہ عقلیہ ہے "النفس لا تتوجہ الی شیئین فی اٰن واحد" ایک آن میں نفس دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا پس تم اپنے ذہن کو دوسرے کاموں کی طرف متوجہ کرو اپنا کاروبار شروع کرو پھر غم کا غلبہ نہ ہوگا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم نے ایسا بھی کیا مگر پھر بھی خیال آتا ہے تو میں اس کا بھی انکار نہیں کرتا مگر جواب یہ ہے کہ جیسا غلبہ ابتداء میں تھا وہ ضرور کم ہو جائے گا دوسرے اگر تم کو کبھی بخار آجاوے تو کیا کرتے ہو؟ دوائی پیتے ہو اگر دوبارہ پھر آجاوے تو کیا کرو گے پھر بھی دوا ہی پیو گے تو ایسے ہی یہاں بھی برابر دوا کرتے رہو یعنی نفس کو دوسری طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے رہو۔

---

(۱) مسافر چمڑے کے موزے پر تین دن تک مسح کرسکتا ہے اگر باوضو موزے پہنے ہوں (۲) مسافر کے لئے تین رات دن کی مسافت معتبر ہے یعنی کم از کم اڑتالیس میل کا سفر جو درمیانی چال سے تین رات و دن میں پیدل یا اونٹ پر طے کرسکتے ہیں (۳) مسلمان کو ترک کلام کرنا تین دن سے زیادہ جائز نہیں۔

غم ہلکا کرنے کی دلیل

اب یہ سوال ہوگا کہ ہم کس خیال میں مشغول ہوں تو شریعت نے اس کو بھی حل کیا ہے اور یہ بھی دلیل ہے شریعت مقدسہ کے کامل ہونے کی حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾(۱) یعنی مصیبت اور غم کے وقت زبان کو ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾ کے ورد میں مشغول کیا جائے اور دل کو اس کے معنی کے تصور میں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور مالک کو ہر قسم کے تصرف کا اپنے مملوک میں اختیار ہے غلام کو چاہئے کہ مالک کے تصرف پر راضی رہے(۲)۔ اس لئے ہم کو بھی اس موقع پر تصرفِ حق پر راضی رہنا چاہئے یہ تو نقلی جواب ہے اور نقلی دلیل ہے غم نہ کرنے کی اس کو سوچنا چاہئے۔

کمزور طبیعت کے لئے تسلی کا طریقہ

مگر بعض لوگ کمزور ہوتے ہیں ان کے قلب کو نقلی جواب سے اطمینان نہیں ہوتا وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مسلّم ہے کہ ہم حق تعالیٰ کی ملک ہیں اور ان کو ہر تصرف کا اختیار ہے۔ مگر ہم کو میت سے خاص تعلق ہوگیا تھا اور اب مفارقت ہوگئی ہے اس مفارقت کا تحمل نہیں ہوتا۔

ان کے لئے دوسرا جواب ہے وَاِنَّـا اِلَیْـہِ رَاجِعُوْنَ کہ گھبراؤ نہیں تم بھی وہیں جانے والے ہو جہاں وہ گیا ہے۔ تو مفارقت بھی ختم ہوجائیگی یہ مفارقت (۳) چند روزہ ہے۔ جیسا دنیا میں بھی بعض دفعہ سفر وغیرہ کی وجہ سے مفارقت ہوجاتی تھی۔

---

(۱) (اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنادیجئے) ''کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں' سورۂ بقرۃ:۱۵۶ (۲) مالک اپنی ملک میں ہر قسم کا تغیر تبدل کرسکتا ہے غلام کو اس کی تبدیلی پر راضی رہنا چاہئے (۳) جدائی چند روزہ ہے۔

بہرحال تسلی کا طریقہ یہ ہے کہ غمزدہ کو یہ نصیحت کرو کہ واقعہ کو از خود نہ سوچے بلکہ اپنے کام میں لگے ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾ کے مضمون کو سوچے جب اس سے طبیعت ٹھہر جائے تو کتابیں دیکھنے لگے۔

مُخَرِّب اخلاق کتب کے مطالعہ سے احتراز

مگر شرط یہ ہے کہ مخرب اخلاق(۱) ناول نہ دیکھے جائیں کیونکہ ان سے قلب کا ناس ہوجاتا ہے۔ یہ گل بکاؤلی اور قصۂ چہار درویش وغیرہ کتابیں بھی اگرچہ خبیث ہیں مگر اخبث نہیں کیونکہ ان میں شہوت رانی کی تدابیر نہیں بتلائی گئیں اور جو بتلائی گئی ہیں وہ کسی کے باپ کے بھی قبضہ میں نہیں مثلاً یہ لکھا ہے کہ ایک دیو آیا اور اس کو بکاؤلی کے باغ میں لے گیا۔ اب بتلایئے کوئی یہ تدبیر کرنا چاہے تو دیو وغیرہ کہاں سے لے آئیگا اور ناولوں میں ایسی تدابیر بتلائی گئی ہیں جن کو ہر شخص حاصل کرسکتا ہے اسی لئے قصہ گل بکاؤلی وغیرہ سے مفاسد کا ظہور نہیں ہوا۔ اور ان ناولوں سے بُرے بُرے نتائج پیدا ہوتے ہیں حیا تو بالکل جاتی رہتی ہے اور بعضے مشہور گھرانوں میں ان ناولوں کی وجہ سے بڑے بڑے واقعات ہوگئے ہیں اور اس میں سارا قصور والدین کا ہے کہ وہ ایسی کتابیں گھر میں کیوں گھسنے دیتے ہیں۔ شفیق باپ وہ چیز خود نہیں کھاتا جو بچوں کو مضر ہے۔ پس مردوں کو لازم ہے کہ ناولوں کا دیکھنا خود چھوڑ دیں تاکہ ان کے بیوی بچے اس کے زہر سے بچے رہیں۔

قابلِ مطالعہ کتب

بلکہ بجائے ان کتابوں کے حضرات انبیاء علیہم السلام کے قصے دیکھو بزرگوں کے حالات دیکھو میں بقسم کہتا ہوں کہ ان حکایات میں بعض دفعہ ایک ہی

(۱) اخلاق خراب کرنے والی کتابیں نہ دیکھے۔

حکایت رہبر ہوجاتی ہے۔ اس پر تعجب نہ کیجئے میں اس سے ترقی کر کے کہتا ہوں کہ بعض دفعہ ایک مختصر بات ہی رہبر ہوجاتی ہے۔

کانپور میں ایک بار میں پاخانہ میں بیٹھا تھا۔ جو سڑک کے کنارہ پر تھا کہ دو شخصوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی ایک شخص کسی کی شکایت کر رہا تھا کہ میں نے اس کے ساتھ ایسی بھلائی کی اس طرح احسان کیا اور اس نے ہمیشہ میرے ساتھ برائی کی۔ اب میں بھی اس کو مزا چکھانا چاہتا ہوں تو دوسرے نے کہا کہ تم بھلائی سے کیوں باز آتے ہو۔ جب وہ برائی سے باز نہیں آتا۔ واقعی یہ بات آب زر سے لکھنے کے قابل ہے میرے دل پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ آج تک نہیں بھولا (۱) پس تم بزرگوں کی حکایات اور انبیاء علیہم السلام کے قصے دیکھو ان سے تمہارے دل کو بھی سکون ہوگا اور دین و دنیا بھی درست ہوگی ایسی ہی کتابوں کے متعلق حضرت حافظؒ کا یہ ارشاد ہے ؎

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل ست صراحیِ مئے ناب و سفینۂ غزل ست (۲)

مگر شرط یہ ہے کہ ان کتابوں کو بھی کسی عالم محقق سے تجویز کرالو اپنی رائے سے کسی کتاب کا مطالعہ نہ کرو۔ جایئے میں نے آپ کو اصلاحِ اخلاق کا سستا نسخہ دے دیا کہ دین کی کتابوں کا بزرگوں کی حکایات کا مطالعہ کرو ان شاء اللہ اس سے بھی اصلاح ہوجائے گی اگر اب بھی اصلاح نہ کرو تو یوں کہا جائیگا ؎

اُس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

بدعقل دیہاتی

ممکن ہے بعض لوگ ایسے بھی ہوں جو اپنے دل میں یوں کہتے ہوں کہ

(۱) مطلب یہ ہے کہ وہ تو برائی پر جما ہوا ہے اور تم سے بھلائی پر بھی نہیں جما جاتا حالانکہ بھلائی ایسی چیز ہے کہ اس پر ہمیشہ جما رہنا چاہئے ۱۲ (۲) اس زمانے میں وہ دوست جس سے نقصان نہ پہنچے خالص شراب اور اشعار کی بیاض کی طرح ہے۔

بزرگوں کی حکایات کے مطالعہ سے اصلاح ہوجاتی ہے تو ہم ان کو دیکھیں ہی گے نہیں جیسے ایک ڈوم نے سنا تھا کہ رمضان کا چاند دیکھنے سے روزہ فرض ہوجاتا ہے۔ تو اس نے کہا میں دیکھوں گا نہیں چنانچہ چاند سے چھپ کر ایک کوٹھری میں جا چھپا وہاں ہی ہگنا موتنا شروع کیا تا کہ آسمان کی طرف نگاہ ہی نہ اُٹھے مگر کئی روز کے بعد بیوی نے تنگ آ کر گھر سے نکال دیا ایک دن جنگل میں صبح کو تالاب کے کنارے آب دست کر رہا تھا(۱) کہ پانی میں چاند کا عکس نظر آ گیا تو کہنے لگا بڑ جا آنکھوں میں بڑ جا (گھس جا) کر دے روزہ فرض۔

اللہ کی کریمی

تو اللہ کے بندو! تم خدا کے رستہ سے کیوں ڈرتے ہو بخدا یہ تو بہت آسان رستہ ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے کریم ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی بھی کریم نہیں سلاطینِ دنیا میں تو قاعدہ یہ ہے کہ باغیوں کے لئے وارنٹ جاری ہوتے ہیں اور اگر کبھی باغی خود حاضر ہوجاتے تو فوراً گرفتار کرلیا جاتا ہے یہاں کس قدر رحمت ہے کہ باغی خود آجائے اور عاجزی ظاہر کر کے معافی چاہنے لگے تو فوراً قبول کر لیتے ہیں ؎

وگر خشم گیرد بکردارِ زشت چو باز آمدی ماجرا در نوشت(۲)

اور وہ یوں فرماتے ہیں ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں در گہہ ما در گہہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ(۳)

(۱) استنجاء کر رہا تھا (۲) اللہ تعالیٰ اگر کسی کی نافرمانی پر گرفت بھی فرماتے ہیں تو جب وہ اس نافرمانی سے باز آجائے تو اس کو ایسا معاف کر دیتے ہیں کہ لکھا گناہ بھی مٹا دیتے ہیں (۳) باز آجاؤ باز آجاؤ جو کچھ بھی گناہ کیا ہو باز آجاؤ اگر کفر اور بت پرستی بھی کر لی ہو تو باز آجاؤ اس دربار میں مایوسی نہیں ہے اگر سو مرتبہ بھی توبہ توڑ چکے ہو پھر بھی باز آجاؤ۔

صبر کا عظیم فائدہ

میں یہ کہہ رہا تھا کہ صبر فقط واقعات موت ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ صبر ہر ناگوار امر کو عام ہے یعنی ہر ناگوار بات پر نفس کو پابند کیا جائے اور اس کو شہوات میں آزادی نہ دی جائے بلکہ ضبط سے کام لے کر دبایا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ جس شخص میں یہ ملکہ راسخہ ہو جائے گا اس کو تمام محرمات سے نفس کا روکنا آسان ہو جائیگا بلکہ جس طرح نماز کو محرمات سے بچانے میں بھی دخل ہے گو معظم نفع طاعات (۱) کو آسان کرنا ہے اسی طرح صبر کو طاعات کے آسان کرنے بھی دخل ہے گو معظم نفع صبر کا ترک محرمات (۲) میں آسانی پیدا کرنا ہے اور طاعات کو آسان کرنے میں صبر کا دخل اس لئے ہے کہ طاعات میں بھی نفس کو ناگواری ہوتی ہے۔ جب اس کو مکروہات پر محبوس کیا جائے گا۔ اور اس کی عادت ہو جائے گی تو طاعات کی پابندی بھی آسان ہو جائے گی اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نماز اور صبر سے مدد لو۔

اشکالات کے جوابات

اب ایک اشکال رہ گیا کہ نماز و صبر خود بھی تو مشکل ہے پس ایسی چیز سے مدد لینے کی تعلیم دی جو خود بھی آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اعمال جن میں مدد لی جاتی ہے بہت سے ہیں اور یہ صرف دو ہی چیزیں ہیں سو ہمت اور محنت سے دو باتوں کا حاصل کرنا کچھ دشوار نہیں۔

نماز کے بھاری ہونے کی حکمت

دوسرا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی بھی تدبیر بتلائی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

(۱) اس کا بڑا نفع عبادات کو آسان کرنا ہے (۲) صبر کا بڑا نفع محرمات کو چھوڑنا ہے۔

﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ ہاں بے شک نماز بہت گراں ہے مگر خاشعین پر اس کے جز اول پر تعارض کا شبہ نہ ہو کہ ابھی تو نماز کو آسان کہہ رہے تھے ابھی اس کو بھاری مان لیا بات یہ ہے کہ نماز فی نفسہ آسان ہے اور عارض مزاحمت نفس سے گراں ہوجاتی ہے دوسرے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت میں بطورِ ارخاء عنان(۱) کے اس کو گراں مان لیا گیا ہے تا کہ مخاطب کو ابتدا ہی سے وحشت نہ ہو بلکہ مصلح کو اپنی موافقت کرتا ہوا دیکھ کر اس کی بات کو سن لے کیونکہ قاعدہ یہ ہے مصلح اگر مریض کی بات کو مان کر اصلاح کرے تو مریض کا دل بڑھتا ہے مثلاً طبیب نے مونگ کی کھچڑی بتلائی مریض نے کہا وہ بدمزہ ہوتی ہے اب ایک صورت تو یہ ہے کہ اس کی بات کو رد کیا جائے اس سے تو بحث کی صورت پیدا ہوجائے گی اور مریض ہرگز اس کی بات نہ مانے گا بلکہ اپنی بات پر اڑ جائیگا ایک صورت ہے کہ طبیب یوں کہے کہ ہاں واقعی ہوتی تو ہے بدمزہ ہی اس واسطے مریض کے لئے تجویز کی جاتی ہے تا کہ وہ مزہ دار غذا دیکھ کر زیادہ نہ کھا جائے اس کو ایسی ہی غذا بتلائی جاتی ہے۔ جو تھوڑی مقدار میں بقدرِ ضرورت کھائی جائے۔ کیونکہ اس کا معدہ قوی غذا کا اور زیادہ غذا کا متحمل نہیں ہوتا اچھا تم اس کے ساتھ تھوڑا سا شوربا یا چٹنی پودینہ کی یا دہی ملا لینا کچھ تھوڑا بہت مزا آجائیگا۔ اس طرزِ گفتگو سے مریض کو وحشت نہ ہوگی بلکہ وہ خوشی سے طبیب کی بات مان لے گا۔

اسی طرح یہاں کہتے ہیں کہ نماز واقع میں تو گراں نہیں آخر بتلاؤ اس میں کون سے پتھر ڈھونے پڑتے ہیں دو چار منٹ کی بات ہے دو چار معتاد ارکان(۲) ہیں اس میں گرانی کیا ہے۔ مگر جو لوگ بالکل آزاد رہنا چاہتے ہیں جانوروں کی طرح ان کو نماز کی بعض پابندیاں گراں گذرتی ہیں اور یہ گرانی نماز میں نہیں بلکہ ان

(۱) نفس کی گرانی کا خیال کرتے ہوئے اس کو گراں مان لیا گیا ہے (۲) مقرر ارکان رکوع سجدہ وغیرہ ہی کرنے پڑتے ہیں۔

کی طبیعت اور مزاج کی خرابی ہے جیسے سانپ کے کاٹے کو نیم کی تلخی معلوم نہیں ہوتی(۱) ایسے ہی ان لوگوں کو اس کے برعکس نماز کی شیرینی محسوس نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ان سے بحث نہیں کرتے بلکہ ان کی بات کو مان کر نماز کی گرانی کو ان کے دل پر سے رفع کرنا(۲) چاہتے ہیں فرماتے ہیں واقعی نماز بہت گراں ہے سبحان اللہ کیسا شفقت کا عنوان اختیار فرمایا کہ گرانی کو تسلیم کرلیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ مگر خاشعین پر نماز گراں نہیں ہے پس تم خشوع حاصل کرلو تم پر بھی نماز گراں نہ رہے گی۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ نماز کی گرانی کے اسباب میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں کچھ قیود جسمانی اور نفسانی ہیں اس لئے نماز گراں ہوتی ہے کیونکہ ہمارا نفس میدان خیالات میں گشت کا عادی ہے(۳) اسی لئے ارکان کے ساتھ بھی خیالات گشت(۴) کرتے رہتے ہیں اس حالت میں ہماری نماز کوک بھری گھڑی کی مثل(۵) ہے کہ کوک بھرنے کے بعد خود بخود چلتی رہتی ہے ہم کو کچھ خبر ہی نہیں ہوتی کہ کیا ہو رہا ہے۔

خشوع کی حقیقت اور اس کے حصول کا طریقہ

اور یہ نماز کا نقص ایک حرکت ہے جس کا علاج سکون ہے۔ کیونکہ العلاج بالضد(۶) اور حرکت کی ضد سکون ہی ہے اور خشوع اسی سکون قلب کا نام ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ سکون قلب سے سکون جسم بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ سکون جسم کو سکونِ قلب میں دخل ہے پس خشوع قلب سے جسم بھی مقید و ساکن ہوجائیگا۔ تو خشوع سے نماز آسان ہوجائیگی لیکن اگر کسی کو یہ بھی مشکل معلوم ہو تو حق تعالیٰ اس

(۱) نیم کی کڑواہٹ معلوم نہیں ہوتی (۲) ان کے دل سے نماز کے بھاری ہونے کے بوجھ کو دور کرنا چاہتے ہیں (۳) خیالات کی وادی میں گھومنے کا عادی ہے (۴) رکوع سجدہ میں بھی خیالات آتے رہتے ہیں (۵) ہماری نماز کی مثال اس گھڑی کی طرح ہے جس کو ایک مرتبہ چابی دیدی پھر خود بخود چلتی رہتی ہے (۶) علاج بذریعہ ضد کے کیا جاتا ہے۔

کو بھی آسان فرماتے ہیں: ﴿اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ﴾ کہ تم لقاءِ رب ورجوع الی اللہ کا استحضار کرو(۱) اور یہ کچھ مشکل نہیں کیونکہ خیالات کا بالکل روکنا تو مشکل ہے مگر ایک خیال کا استحضار تو مشکل نہیں اگر وہ دل سے ہٹ جائے تو پھر لے آؤ اس طریقہ سے خشوع قلب جلد حاصل ہو جائیگا۔

وساوس کا نماز میں آنا خلافِ خشوع نہیں

مگر لوگ اس میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ عدم حضور وساوس کو خشوع سمجھتے ہیں(۲) حالانکہ خشوع کی حقیقت عدم احضار وساوس ہے(۳) کہ قصداً خیال نہ لایا جائے اور جو بلا قصد آوے وہ مضر نہیں نہ خشوع کے منافی ہے بلکہ اس کو دفع بھی نہ کرو اسکی طرف التفات ہی نہ کرو۔

نماز میں وساوس کا علاج

صوفیاء نے لکھا ہے کہ وساوس کی مثال ہوا کی طرح ہے کہ جو شخص برتن میں سے تنہا ہوا نکالنا چاہے وہ عاجز ہو جائیگا۔ کیونکہ خلا محال(۴) ہے ہاں برتن میں پانی بھر دو جب برتن بھر جائے گا پھر ہوا کا نام بھی نہ رہے گا پس تم اپنے قلب میں لقاء رب ورجوع الی اللہ کا خیال اچھی طرح بھر لو پھر وساوس کا نام بھی نہ رہے گا۔ اگر اس پر بھی وساوس آویں تو بے فکر رہو کیونکہ تم نے اپنا کام کر لیا اسی کے تم مکلّف تھے اب تم شاہراہِ عام پر پہرہ کھڑا کرنے والے کون ہو بلکہ اب دوسرے مراقبہ سے کام لو جو حضرت حاجی صاحبؒ نے ایسی حالت کے لئے تجویز فرمایا ہے، جس سے یہ وساوس بھی آئینۂ جمال حق بن جاتے ہیں وہ یہ کہ یوں سوچے کہ اللہ اکبر خدا نے

(۱) اللہ سے ملاقات اور اس کی طرف لوٹ کر جانے کا خیال (۲) خیالات کے نہ آنے کو (۳) خیالات کا نہ لانا (جو اختیاری ہے) (۴) کسی چیز کا بالکل خالی ہونا ناممکن ہے۔

میرے دل کو بھی کیسا دریا بنا دیا ہے جس میں وساوس کی بے شمار موجیں اٹھ رہی ہیں جن کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے غرض تم وساوس کو مطالعہ قدرت حق کا وسیلہ بنالو(۱)۔

تو دیکھئے قرآن کی کیسی پاکیزہ تعلیم ہے کہ اول تو تمام طاعات کے آسان کرنے کا طریقہ تجویز کیا پھر نماز کی تسہیل کے لئے خشوع کی تعلیم فرمائی پھر خشوع کی تسہیل کے لئے مراقبہ لِقاء(۲) تجویز فرمایا اور یہ مراقبہ جس میں غرق ہونے کی تعلیم فرمائی ہے ایسا عجیب مراقبہ ہے کہ تمام خیالات سے زیادہ قلب کو یکسو کرنے والا ہے اس کے لئے تسہیل (۳) کی کوئی ضرورت نہیں یہ تو خود ہی سہل ہے کیونکہ محبوب کے تصور کا مراقبہ ہے اور محبوب کا تصور اپنی ذات سے لذیذ ہے وہ کسی طریقہ تیسیر (۴) کا محتاج نہیں۔

ہر شخص کو خدا سے محبت ہے

اگر کوئی یہ کہے کہ نعوذ باللہ ہم کو تو خدا تعالیٰ سے محبت نہیں ہے تو میں کہوں گا تم غلط کہتے ہو کیونکہ ہر مسلمان کو خدا سے محبت ہے بلکہ کفار کو بھی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اسی لئے تو کفار کو اللہ تعالیٰ نے یہ دھمکی دی ہے: ﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾(۵) کہ ''کفار قیامت کے دن اللہ تعالیٰ (کے دیدار) سے محجوب(۶) رہیں گے'' اگر ان کو محبت نہ ہوتی یہ دھمکی نہ دی جاتی کیونکہ یہ دھمکی محبّ ہی کے دل پر اثر کرسکتی ہے غیر محبّ پر اس سے اثر نہیں ہوسکتا بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جس کو غیر حق سے بھی محبت ہے اس کو بھی خدا ہی سے محبت ہے کیونکہ تمام مخلوق مظہر جمال الٰہی ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو گنبد کے کلس پر آفتاب کی شعاع پڑنے سے گنبد بھلا معلوم ہوا اور بار بار اس کی چمک کو

(۱) اللہ کی قدرت کے مشاہدے کا ذریعہ بنالو (۲) یعنی یہ استحضار کہ اللہ سے ملنا ہے (۳) آسانی پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں (۴) اس کے لئے مزید آسانی پیدا کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں (۵) ''ہرگز ایسا نہیں یہ لوگ اس روز اپنے رب سے روک دیئے جاویں گے'' سورۂ مطففین: ۱۵ (۶) روک دیئے جائیں۔

دیکھنے لگا۔ تو حقیقت میں اس کو گنبد سے محبت نہیں بلکہ آفتاب سے محبت ہے گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گنبد پر عاشق ہے اسی طرح یہاں سمجھو کہ جس کسی کو کسی مخلوق کے ساتھ کسی کمال یا جمال کی وجہ سے محبت ہے حقیقت میں اس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے کیونکہ مخلوق میں جو کچھ جمال وکمال ہے وہ جمال حق کا آئینہ ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردۂ پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردۂ(۱)

وحدت الوجود کا مطلب

وحدت الوجود یہی ہے اس کی حقیقت صرف یہی ہے کہ تمام مخلوقات آئینۂ جمال حق ہیں یہ معنی نہیں کہ ہر مخلوق عین حق ہے یہ تو کفر ہے اور کثرت ہے وحدت نہیں ہے بھلا کثرت میں بھی کہیں وحدت ہوتی ہے افسوس جہلاء صوفیاء نے وحدت الوجود میں غلو کر کے کفار کو بھی مسلمانوں پر ہنسنے کا موقع دیدیا۔

چنانچہ ایک عیسائی کا قول ہے کہ مسلمان ہم کو تین خدا ماننے کی وجہ سے کافر کہتے ہیں مگر صوفی کو کافر نہیں کہتے جو ہر چیز کو خدا کہتا ہے واقعی صحیح اعتراض ہے اگر وحدت الوجود کے یہی معنی ہیں کہ ہر شے عین خدا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کا خدا ہونا بھی لازم آئے گا پھر ان کی الوہیت کے قائل کو کافر کس لئے کہا گیا ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾(۲) پس وحدت الوجود کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر چیز مظہر جمال حق ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مخلوق کے نقائص خالق کی طرف راجع (۳) ہوں یا مخلوق عین خالق ہوجائے دیکھو آفتاب دیوار پر بھی طلوع کرتا ہے اور گھوڑے پر بھی اور اس وقت سب مظہر نور

(۱) اپنے حسن کو محبوبوں کے چہروں میں ظاہر کر کے عاشقوں کی نظر سے اپنے آپ کو ظاہر فرمارہے ہیں (۲) ''بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے'' سورۂ مائدہ: ۱۷ (۳) مخلوق کے عیوب خالق کی طرف رجوع کئے جائیں۔

آفتاب ہوتے ہیں مگر اس سے دیوار کا آفتاب ہونا لازم نہیں آتا نہ گھوڑے کی ناپاکی آفتاب تک پہنچتی ہے پس جس شخص کو غیر حق سے محبت ہے اس کو بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سے محبت ہے مگر اس کو خبر نہیں۔

اللہ سے محبت کرنے کا طریقہ

اس کو چاہئے کہ اس وقت یہ سوچے

ع چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگار ہا (۱)

وہ خالق کیسا کچھ باجمال و باکمال ہوگا جس نے ایسی ایسی صورتیں بنائی ہیں اس تصور سے حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی پھر یہ سوچے کہ ؎

عاشقی بامردگاں پاینده نیست زانکہ مردہ سوئے ما آینده نیست (۲)

عشق بامرده نباشد پائدار عشق را باحیّ و باقیّوم دار (۳)

یعنی خدا کے سوا سب فنا ہونے والے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بقاء ہے پس باقی کے ہوتے ہوئے فانی سے محبت کرنا حماقت ہے۔ اب غیر کی محبت بالکل جاتی رہے گی اور محبتِ حق غالب ہوگی جب محبتِ حق غالب ہوگی تو اب اس کے لقاء کا تصور کرو کہ ایک دن تم کو اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے یہ خیال تمام خیالات کو قطع کردے گا جب خیالات قطع ہوگئے تو یکسوئی اور خشوع حاصل ہوگیا یکسوئی سے نماز آسان ہوگی جب نماز آسان ہوگئی تو اس کے ذریعے تمام طاعات سہل ہوجائیں گی' سبحان اللہ کیسا عجیب علاج اور کیسی غریب ترتیب ہے۔ اب اگر کوئی اشکال فلسفی باقی ہو تو بسم اللہ' پیش کیا جاوے میں سننے کو تیار ہوں مگر مجھے امید ہے

(۱) اس کے اپنے حسن کا کیا حال ہوگا جس نے اتنے حسین پیدا کئے (۲) جو لوگ فنا ہونے والے ہیں ان سے محبت کرنا ہمیشہ نہیں ہوسکتا جب وہ ختم ہوجائیں گے تو پھر ان کی طرف التفات نہیں ہوگا (۳) مرنے والے کے ساتھ عشق پائیدار نہیں ہوتا اس لئے حی اور قیوم ذات یعنی اللہ تعالیٰ سے عشق کرنا چاہئے۔

کہ کوئی اشکال باقی نہ رہا ہوگا اور اگر کسی کے دل میں کوئی شبہ ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ علماء کے پاس اس کا جواب نہیں میں بقسم کہتا ہوں کہ ایک طالب علم جس نے درسیات سمجھ کر پڑھی ہوں تمام دنیا کے حکماء کو جواب دے سکتا ہے۔ یہ تو پہلی آیت کے متعلق بیان تھا۔

حصولِ صبر کا طریقہ

دوسری آیت میں اسی مضمون کو بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے ایک اور جملہ ارشاد فرمایا ہے جو پہلی آیت میں نہیں یعنی: ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ زیادہ کیا گیا ہے۔ اس جملہ کی مناسبت پہلی آیت کے مضمون سے یہ ہے کہ جیسے وہاں ﴿اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ﴾ کے بعد نماز کی سہولت کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اس کے بعد صبر کی سہولت کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ چونکہ صبر بھی کسی قدر دشوار ہے کیونکہ نفس کو مکروہات پر مقید و محبوس (۱) کرنا آسان نہیں اس لئے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے ایک یہ کہ معیت سے اعانت و مدد کی معیت مراد ہو یعنی تم صبر کر کے دیکھو دشوار نہ رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی اور ان کی امداد کے بعد کوئی دشوار دشوار نہیں دوسرے یہ کہ معیت سے اعانتِ حالیہ مراد ہو پس مطلب یہ ہوگا کہ صبر کی دشواری کو اس مراقبہ سے آسان کرو کہ اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔

لذیذ مراقبہ

اس مراقبہ کے بعد صبر میں دشواری نہ رہے گی کیونکہ جب عاشق کو یہ معلوم ہو کہ محبوب میرے ساتھ ہے میری تکلیف کو دیکھ رہا ہے۔ تو اس کو کلفت کا احساس نہیں ہوتا اس صورت میں یہ مراقبہ ایسا ہے جیسا دوسری جگہ رسول اللہ ﷺ کو ارشاد

(۱) نفس کو بُری باتوں سے بچانا اور روکنا آسان نہیں۔

ہے ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (۱) ”کہ اپنے رب کے حکم پر جمے رہئیے کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں“ یہ عجیب مراقبہ ہے اور اس میں بہت لذت ہے شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب ہم ان کو نہیں دیکھتے تو کیا لذت ہوگی، تو یہ خیال غلط ہے کیونکہ جو لوگ کبھی عاشق ہوئے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر عاشق کو محبوب دیکھ رہا ہو اور اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر میں اس کی طرف دیکھوں گا تو وہ مجھے نہ دیکھے گا تو اس صورت میں عاشق اس کی طرف ہرگز نہ دیکھے گا تاکہ محبوب اس کو دیکھتا رہے اس میں عاشق کو زیادہ لذت آتی ہے اس لئے یہ مراقبہ نہایت لذیذ ہے۔ پھر اس کے بعد کسی کلفت سے اس کو تکلیف نہ ہوگی بلکہ اس میں لذت ہی آئے گی اور زبان حال وقال سے یوں کہے گا ؎

بجرم عشق توام می کشند وغوغائیست تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست (۲)

اس تقریر سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بھی ہم کو مراقبات کی تعلیم فرماتے ہیں اور یہ تعلیم صوفیاء کی من گھڑت نہیں تمام قرآن وحدیث تصوف سے بھرا ہوا ہے اور وہ تصوف کیسا جو قرآن وحدیث میں نہ ہو۔

بس اب میں ختم کرتا ہوں بحمد اللہ بقدر ضرورت دونوں آیتوں کا بیان ہو چکا ہے اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور توفیق عمل عطا فرمائیں۔ (۳)

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علٰی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وعلٰی
اٰله واصحابه وسلّم واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العلمین

(۱) سورۂ طور: ۴۸ (۲) تیرے عشق کے جرم میں مجھے قتل کیا جا رہا ہے اور شور مچ رہا ہے تو بھی دروازے پر آ کر دیکھ کیسا تماشہ لگا ہوا ہے (۳) اللہ تعالیٰ اس وعظ کے مضامین سے تمام قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

خلیل احمد تھانوی

یکم محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہم السلام